ترقی پذیر زندگی اور اجتہاد

تحریر و تحقیق

ڈاکٹر جعفر عبد السلام

(جنرل سکریٹری رابطہ جامعات اسلامیہ)

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	ترقی پذیر زندگی اور اجتہاد
مصنف	:	ڈاکٹر جعفر عبدالسلام
مترجم	:	مفتی احمد نادر القاسمی
صفحات	:	۷۴
قیمت	:	
سن طباعت	:	

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

۱— پیش لفظ	خالد سیف اللہ رحمانی	۷
۲— زندگی کی ترقی پذیری اور تجدید کے تقاضے		۹
۳— اسلامی شریعت کی حرکیت و لچک		۱۰
۴— موجودہ اسلامی قانون کی خصوصیات		۱۲
۵— فقہ اسلامی		۱۲
۶— اسلامی قانون		۱۳
۷— اسلامی نظام قانون کا دینی رنگ		۱۴
۸— اسلامی احکام کے اقسام		۱۵
۹— وضعی قوانین کی بنیاد		۱۷
۱۰— احکام شرعی کی الزامی قوت		۱۷
۱۱— فقہاء کے اجتہادات اور اختلاف کی حیثیت		۲۲
۱۲— استنباط احکام میں اصول وقواعد اور مقاصد کی شریعت کی رعایت		۲۴
۱۳— وہ حکمتیں جن پر اسلامی قانون کی بنیاد رکھی جاتی ہے		۲۶
۱۴— قرآن کی قانونی ابدیت		۲۶
۱۵— قانون سازی کا حق اور طریقہ کار		۲۸
۱۶— اسلامی احکام میں حکمت ومصلحت		۳۰
۱۷— اسلامی احکام کی تین اسلامی حکمتیں		۳۴

۱۸— انصاف اور اسلامی قوانین	۳۴
۱۹— قانونی ضابطہ بندی میں عدل وانصاف کا کردار	۳۴
۲۰— قانون میں عدل وانصاف کا قرآنی اعجاز	۳۷
۲۱— عدل اجتماعی	۴۰
۲۲— مصلحت اور اسلامی احکامات	۴۵
۲۳— مصالح کے اقسام	۴۹
۲۴— حسن اخلاق اور اسلامی قوانین	۵۰
۲۵— فقہ اسلامی کی جدید تحقیق کی ضرورت	۵۶
۲۶— شریعت اور قانون کی موجودہ تدریسی صورت حال	۵۷
۲۷— یونیورسٹیز میں شریعت کی تدریس (کی صورت حال)	۵۹
۲۸— فقہ اور اصول فقہ کی تدریس کا حال	۶۰
۲۹— پسماندگی اور پچھڑا پن	۶۳
۳۰— فرقہ واریت اور اختلاف	۶۵
۳۱— جمود اور تعطل	۶۷
۳۲— تدریس واجتہاد کے اداروں کے درمیان رابطہ کا خلا	۶۸
۳۳— اس صورت حال کے افسوس ناک نتائج	۶۹
۳۴— ان مشکلات ومسائل کا حل (اور تجاویز)	۷۱

پیش لفظ

شریعت کا بنیادی ماخذ کتاب اللہ اور سنت رسول ہے، یہ بات ظاہر ہے کہ کتاب و سنت میں جزوی احکام کم ذکر کئے گئے ہیں؛ البتہ زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق بنیادی اُصول ومقاصد کو واضح کر دیا گیا ہے، جن کو سامنے رکھتے ہوئے فقہاء نے اجتہاد سے کام لے کر زندگی کے تمام مسائل کے بارے میں رہنمائی کی ہے، غیر منصوص مسائل میں اجتہاد کی اساس یہ ہے کہ جو بھی حکم ہو، وہ عدل کے تقاضوں کو پورا کرتا ہو، انسانی مصلحت سے ہم آہنگ ہو اور اخلاقی قدروں کے مغائر نہ ہو، اجتہاد میں ان پہلوؤں کو ملحوظ رکھنے کے لئے قیاس، استحسان اور مصالح مرسلہ کے اُصول وضع کئے گئے ہیں، موجودہ دور میں صنعتی اور معاشی ترقی کی رفتار اس قدر تیز ہے کہ ماضی میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، جب ہمارا اس بات پر یقین ہے کہ شریعت اسلامی قیامت تک کے لئے ہے، تو یقیناً اس بات پر بھی ہمارا یقین ہونا چاہئے کہ اسلام ترقی پذیر زندگی کے مسائل کو حل کرنے کی پوری پوری صلاحیت رکھتا ہے اور جیسے ماضی میں اجتہاد کے ذریعہ نئے مسائل حل کئے جاتے رہے ہیں، اب بھی ان مسائل کو حل کرنے کا راستہ یہی ہے۔

اجتہاد سے مراد ’’اجتہادِ مطلق‘‘ نہیں ہے؛ کیوں کہ اب نہ اس کی صلاحیت ہے اور نہ اس کی ضرورت؛ بلکہ ضرورت جزوی اجتہاد کی ہے، کہ جن مسائل کے بارے میں سلف صالحین کے اجتہادات نہیں ملتے، شریعت کے مقاصد، گذشتہ اجتہادات کے نظائر اور اجتہاد و استنباط کے اُصول کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے بارے میں رائے قائم کی جائے۔

اس وقت جو کتاب قارئین کے سامنے ہے، اس کا موضوع یہی ہے، اس میں مصنف نے اسلامی قانون کی اہمیت، مصالح وحکم سے اس کا ارتباط، اس کے بنیادی مقاصد اور نئے

مسائل کے حل میں فقہاء کے رویہ پر بڑی خوش اُسلوبی سے روشنی ڈالتے ہوئے اس بات پر زور دیا ہے کہ موجودہ دور میں اسلامی قانون کی تعلیم کا منہج کیا ہونا چاہئے، عالم اسلام میں جو کلیات الشریعہ اور کلیات الحقوق قائم ہیں، انھیں کس طریقہ پر طلبہ کی تربیت کرنی چاہئے؛ تا کہ وہ نئے مسائل کے حل میں اپنا کردار ادا کرسکیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ اپنے موضوع پر بہتر اور مفید کتاب ہے، اگرچہ مصنف کی بعض آراء سے اختلاف بھی ہوسکتا ہے، نیز اس کتاب میں اصل خطاب عالم اسلام کے تعلیمی اداروں سے ہے؛ لیکن ہندوستان میں جو دینی جامعات قائم ہیں، وہ بھی فی الجملہ اس سے فائدہ اُٹھاسکتی ہیں، کتاب کی اہمیت اور افادیت کو سامنے رکھتے ہوئے اکیڈمی اسے شائع کررہی ہے، دُعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پیشکش کو قبول فرمائے۔ آمین

خالد سیف اللہ رحمانی
(خادم: اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)

۲۷ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
۹ فروری ۲۰۱۳ء

★★★

ترقی پذیر زندگی اور اجتہاد کی ضرورت

عہد بہ عہد انسانی زندگی میں ترقی اور جدت، حیات انسانی میں کارفرما اللہ کی ایک سنت ہے اور اس کے تسلسل کے بغیر انسانی زندگی کا پرامن طریقہ پر برقرار رہنا بھی ممکن نہیں ہے، اسی لئے ترقی یافتہ معاشروں میں ہمیشہ ایسے افراد موجود ہوتے ہیں جو اس کے مختلف شعبوں میں تجدید کا فریضہ انجام دیتے ہیں، بلکہ یہ تجدیدی عمل ان معاشروں میں ایک ادارتی فریضہ بن چکا ہے۔ مثال کے طور پر اس تجدیدی عمل کو اسی طرح آگے بڑھانے کے لئے موجودہ عہد کی یونیورسٹیز اور تعلیمی ادارے سالانہ سمینار، سمپوزیم اور علمی مذاکروں کا اہتمام کرتے ہیں، اور یہ عمل ہر ڈپارٹمنٹ اور فیکلٹی میں انجام پاتا ہے، اور ان میں تمام پروفیسران، اساتذہ، اور معلمین کے لئے دروازہ کھلا ہوتا ہے، جن میں انہیں یونیورسٹیز کے طریقۂ کار، پروگرام اور لائحۂ عمل کے بارے میں اپنی آراء اور تجاویز پیش کرنے کا بھرپور حق ہوتا ہے، جس کا مقصد یونیورسٹی اور تعلیمی اداروں کے نظام میں بہتری لانا ہوتا ہے، تاکہ عصر حاضر کی ضروریات اور ترقی کے تقاضے پورے ہوں، اور علمی میدان میں پیش رفت ہو سکے۔

تجدیدی عمل کا مشاہدہ ہم لوگ دن رات کرتے رہتے ہیں کہ وہ کمپنیاں جو انسانی ضروریات کی چیزیں تیار کرتی ہیں وہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ اپنی مصنوعات میں تبدیلی اور نیا پن لاتی رہتی ہیں، اپنے پروڈکٹس کو موڈی فائڈ کرتی رہتی ہیں، اور اس کے لئے وقتاً فوقتاً نئے شعبے قائم کرتی رہتی ہیں، اور یہ شعبے ریسرچ و تحقیق کے بعد اچھی سے اچھی شکل میں اسے پیش کرنے کی جدو جہد میں لگے رہتے ہیں، مثال کے طور پر کمپیوٹر کی کمپنیوں کو ہی لیجئے، شاید کوئی دن ایسا نہیں گذرتا کہ کمپیوٹر یا اس کے پروگراموں کو مزید بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش نہ کی جاتی ہو، عام طور پر یہ

کام مختلف مما لک میں یونیورسٹیز اور علمی اداروں کے ذریعہ عمل میں آتا ہے۔

آج تقریباً ہر معاشرے میں قانون کی تشکیل اور اس کو نافذ کرنے والے ادارے موجود ہیں، اور ہر ادارے کے اپنے طے شدہ پروگرام واہداف ہوتے ہیں، ان میں سے اہم ترین ہدف معاشرتی تعلقات کو بہتر بنانا، انہیں مزید ترقی دینا اور اجتماعی زندگی کو منظم کرنا از بس ضروری ہے، اور ہر روز کچھ نئی معاشرتی ضرورتیں سامنے آتی ہی ہیں جنہیں ترتیب وتنظیم کے ساتھ حل کرنا ہوتا ہے، ضابطہ اور قانون سازی کا مقصد ہمیشہ ان اداروں کو ترقی دینا اور ان کی کارکردگی کو بہتر بنانا ہوتا ہے، اگر کوئی ہماری اسمبلی اور پارلیمان کے ایجنڈے پر نظر ڈالے تو اس میں اس کو بہت سے نئے مسائل نظر آئیں گے، مثلاً نئی مشکلات کو حل کرنے کے لئے نیا قانونی مسودہ اور پراجیکٹ بنانا ہوتا ہے، مثلاً ایسا قانونی مسودہ جو اراضی اور غیر منقولہ جائداد کے نظم وانتظام، اور ان کے تحفظ سے متعلق ہو، اسی طرح ایسا قانون جو عمارت سازی کے کام کو منظم کرنے میں معاون ہو، اسی طرح ایسا بل جس کے تحت انسانی اعضاء کی ایک بدن سے دوسرے بدن میں منتقلی اور پیوندکاری کے مسائل کو حل کرنے سے متعلق ہو، کوئی قانون بنایا جاتا ہے جس کے ذریعہ دہشت گردی کی بگڑتی ہوئی صورتحال سے نمٹا جا سکے، مزید برآں ایسے قوانین بھی بنائے جاتے ہیں جن کی روشنی اور رہنمائی میں پیش آمدہ دیگر معاشرتی الجھنوں کا حل نکالا جا سکے۔

اس تناظر میں جب ہم فکر اسلامی پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ بھی انہی اصولوں کے تابع نظر آتی ہے، چنانچہ افکار ونظریات اور فلسفہ وفن امت کے ہی تاریخی ورثہ کی نمائندگی کرتے ہیں، وہ فکری بنیادیں جن سے اصول اخذ کئے جاتے ہیں وہ بھی سماج ہی سے مربوط معلوم ہوتے ہیں۔

اسلامی شریعت کی حرکیت ولچک :

اور شریعت اسلامی اللہ تعالی کی آخری شریعت ہے، وہ مستحکم اصولوں اور مضبوط بنیادوں پر قائم ہے، دنیا کے مختلف حصوں میں اس کے ماننے والے موجود ہیں جن کی تعداد تقریباً

ڈیڑھ ارب تک پہنچتی ہے، عالمی آبادی کے تناسب سے یہ تعداد دنیا کی آبادی کا پانچواں حصہ ہے، بنابریں اجتہاد پر مبنی اس فکر کا دائرہ بہت وسیع ہے، اور بدلتے ہوئے عالمی منظر نامہ میں یہ وسیع تر ہوتا جارہا ہے، اس کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ خود کو ان اصولوں سے الگ کرلے جو زندگی کے تمام ترشعبوں پر حاوی ہیں، اس سے ہماری مراد ترقی اور تبدیلی کا عمل ہے، اس لیے کہ تجدیدِ فہمِ دین کی ایک اہم ضرورت ہے، جس کے ذریعہ یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ اسلام ہر قسم کی ترقی اور تجدید کی صلاحیت رکھنے والا مذہب ہے، اس کے احکام مسلمہ اصولوں کی پابندی کے ساتھ ساتھ لچک پر مبنی ہیں جو ہر زمانہ کا ساتھ دے سکتے ہیں۔

اس وقت اسلام پر تقریباً پندرہ سو سال گذر چکے ہیں، ابتداء میں اس کے ماننے والوں کی تعداد کم تھی، لیکن اس وقت یہ تعداد بہت بڑھ چکی ہے، اس دوران انسانی زندگی میں جو حیرت انگیز تبدیلیاں وجود میں آئی ہیں بڑی دوررس اور بڑی متنوع ہیں، اور کسی نہ کسی طور پر فکر اسلامی پر ان تبدیلیوں نے اپنا اثر ڈالا ہے۔

فکر اسلامی کے چند مآخذ ہیں جن سے احکام مستنبط ہوتے ہیں، اور وہ ہیں قرآن کریم، رسول اللہ ﷺ کی سنت، اس کے بعد فقہاء اور مفکرین کے وہ اجتہادات وافکار جو انھیں دو بنیادی مآخذ کی روشنی میں سامنے آئے ہیں، جیسا کہ یہ اسلامی فکر اس وقت مختلف دبستان فقہ اور فلسفہ ومعلومات عامہ کی مختلف شاخوں کی شکل میں موجود ہیں، تاریخ کے ہر دور میں ان مکاتب فقہ وفلسفہ کی سرگرمیاں جاری رہیں۔ کسی زمانہ میں نہ تو یہ سلسلہ موقوف ہوا اور نہ ہی تاریخ اسلام کے کسی دور میں اس پر نیند طاری ہوئی۔

باوجود اس کے اس بات کا ہمیں اعتراف کرنا چاہئے کہ فقہ اسلامی پر ایسے ادوار گذرے ہیں جن میں اجتہاد کا عمل معطل رہا ہے، اس کے بہت سے اسباب تھے، اور کچھ وقت وحالات کا بھی اثر تھا، اسی صورتحال کو دیکھ کر بعض لوگوں نے یہاں تک کہا کہ فقہ اسلامی

میں اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا، اور کافی عرصہ تک یہ تعطل قائم رہا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ طویل عرصہ تک ہمارے فقہاء صرف متون کی تشریح اور ان پر حواشی وتعلیقات میں مصروف رہے، جو بحثیں ہو چکی تھیں انہیں کو مکرر طور پر کتابوں کی شکل میں پیش کرتے رہے۔

لیکن پھر اسلامی سماج میں بیداری کا آغاز ہوا، اور یہ بیداری مسلمانوں کی زندگی میں دین صحیح کے دوبارہ لوٹ آنے کا نتیجہ تھی، اگرچہ بعض لوگوں نے اجتہاد کے عمل میں ٹھوکریں کھائیں اور اس کے نتیجے میں مطلوبہ تجدیدی عمل کی تشکیل کے تعلق سے ایک سے زائد رجحانات سامنے آ گئے، لیکن زندگی کے مختلف میدانوں میں اجتہاد اور تجدید کے عمل کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، خواہ اس کا تعلق اسلام کے عمومی فکر وفلسفہ سے ہو، یا فقہی تحقیقات سے ہو۔

موجودہ اسلامی قانون کی خصوصیات :

ا— فقہ اسلامی :

یہ بات مسلم ہے کہ اسلام ایک عقیدہ بھی ہے اور نظام قانون بھی، عقیدہ انسان اور خالق کے درمیان ربط وتعلق اور بالعموم اسلام کی بنیادوں اور ارکان سے جڑا ہوا ہوتا ہے، جیسے اسلام، کلمہ، نماز اور زکوۃ کی ادائیگی، رمضان کے روزے، اور حج، اس کے بعد ایمان کی بنیادوں اور اساسیات سے بحث کرتا ہے، یعنی اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور قیامت کے دن پر ایمان، اور اس بات پر ایمان کہ انسان اس عارضی زندگی سے دائمی زندگی کی طرف منتقل ہونے والا ہے۔

شریعت ان احکام وقوانین کا نام ہے، جن کو اللہ تعالی نے بالعموم انسان اور سماج کو ایک دوسرے سے مربوط کرنے کے لئے نازل کیا ہے، یہ وہ احکام ہیں جو لوگوں کے افعال کا احاطہ بھی کرتے ہیں اور ان کو منظم بھی کرتے ہیں، اس طرح سے کہ ان افعال میں کون سے حرام اور مکروہ وناپسندیدہ ہیں جن سے بچا جائے، اور کون سے حلال اور مندوب ومباح ہیں جن کو

کیا جائے۔

ایک مسلمان کو دوسروں سے ممتاز کرنے والی چیز اس کا عقیدہ ہی ہے کہ وہ اس بات پر اعتقاد ویقین رکھتا ہے کہ بندے کے ہر فعل پر حکم نافذ کرنے کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالی کو ہے، اسی لئے فقہاء اسلام نے ہر دور میں لوگوں کے مسائل ومشکلات اور ان کے ہر ہر قول وفعل سے متعلق شرعی احکام کی توضیح میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، اور اس طرح مختلف فقہی دبستان وجود میں آئے، اہل سنت کے چار مشہور مسالک حنفی، مالکی، شافعی، اور حنبلی کے علاوہ مختلف شیعہ فقہی مذاہب بھی وجود میں آئے، جن میں اہم مذاہب جعفری اور زیدی ہیں، اور ان تمام کی کوششوں سے فقہ اسلامی کی تشکیل ہوئی، یہ فقہ چند متعینہ خصوصیات کی وجہ سے ممتاز ہے اور اس کے ممتاز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے قوانین واحکام متعین مآخذ ومصادر سے اخذ کئے گئے ہیں، جو دوسرے تمام قوانین سے بالکل مختلف ہیں، اسی طرح فقہ اسلامی نے قوت واستحکام اس لئے پایا کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے مستفاد اور اس کا خوشہ چیں رہا۔

۲ — اسلامی قانون :

حقیقت تو یہ ہے کہ اسلامی قانون کی اصطلاح ایک نئی اصطلاح ہے، اور اس وقت ملکوں کے اپنے بنائے ہوئے جو قوانین ہیں وہ تمام مسائل فقہ اسلامی کے زیر سایہ حل کئے جا چکے ہیں، اور شریعت اسلامی جو مقدس ہے اور اس کی بنیاد قواعد وکلیات پر ہے، لیکن اس لحاظ سے کہ فقہ شریعت کی ہی توضیح کرتی ہے، اس کا دائرہ زیادہ وسیع ہے اور وہ تمام مشمولات اور جزئیات پر محیط ہے، صرف کلیات ہی تک اس کا دائرہ محدود نہیں ہے، آگے ہم اس کو ثابت کریں گے کہ قانون اسلامی نے دراصل فقہ اسلامی ہی کی کوکھ سے جنم لیا ہے، قانون اسلامی سے مراد موجودہ دور کا وہ جدید رجحان ہے جس کے مطابق فقہ کو راست طور پر زیادہ سے زیادہ زندگی کے مسائل سے مربوط کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

اس وقت ہم ان اہم دشواریوں کا تجزیہ پیش کرنا چاہتے ہیں جو موجودہ عہد میں اسلامی شریعت کی تنفیذ وتطبیق میں حائل ہیں، اس لئے کہ اسلامی شریعت کی تنفیذ ہی تمام مسلمانوں کی دلی تمنا اور امید ہے۔

فقہ اسلامی اپنی جامعیت، ہمہ گیری اور انسانی زندگی کو شرعی احکام سے مربوط رکھنے، انسانی اعمال کا مکمل تجزیہ کرنے اور ان کو صحیح سمت دینے میں پورے طور پر انسانی زندگی اور اس کی سرگرمیوں پر محیط ہے، اور اس کا صحیح حل پیش کرتی ہے، اور کتاب وسنت سے ماخوذ ہے، اس میں گہرے شعور اور علمی وسائل کا مناسب لحاظ بھی رکھا گیا ہے، ایک امتیاز اس علم کا یہ ہے کہ اس میں فہم وادراک میں بالغ نظری اور منطقیت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

اسلامی نظام قانون کا دینی رنگ :

یہ بات عیاں ہے کہ اسلامی قانون مکمل دینی مزاج ومذاق پر مبنی قانون ہے، کوئی بھی فقیہ اور ولی امر جس کی کاوشیں اسلامی قانون سے وابستہ ہیں اور اس کی خدمات اس کے لئے رہی ہیں اس کی کوشش احکام ومسائل اور مشکلات میں حکم الٰہی کی ہی تنقیح وتخریج رہی ہے۔ فقہاء اور اولوالامر کے سامنے جب بھی کوئی مسئلہ اور قضیہ آیا انہوں نے سب سے پہلے قرآن کریم سے اس کا حل تلاش کیا اور ان کی وضاحت کی، اگر انہیں قرآن میں براہ راست کوئی حکم نہیں ملا تو سنت رسول ﷺ میں تلاش کیا، اور اگر وہاں بھی کوئی حکم نہیں ملا تو پھر ان دونوں کی روشنی میں اور انہیں دونوں مصادر سے انہوں نے اپنے اجتہادات کے ذریعہ اس کا حل تلاش کیا، مسائل مستنبط کئے، باوجودیکہ فقہ اسلامی انسانی کاوش کا نتیجہ ہے، اس لئے کہ انسان نے ہی وحی الٰہی کی روشنی میں اسے پیش کیا ہے، لیکن فقہ اور قانون کے ماہرین پر اجتہاد اور استنباط میں کسی ایک منہج کو اختیار کرنا لازم اور کتاب وسنت کی اساس پر جمے رہنا ہمیشہ ضروری رہا ہے، یہ اس

بات کی بین دلیل ہے کہ اسلامی قانون کی تدوین وتخریج میں دینی مزاج ومذاق ایک لازمی عنصر کی طرح شامل رہا ہے۔

ساتھ ہی یہ بات بھی مسلّم ہے کہ ایک فقیہ اصول فقہ کے معیار اور اصول وکلیات کی روشنی میں مسئلہ مستنبط کرتا ہے۔ وہ جو کچھ بھی کہتا ہے — اگرچہ وہ انسانی عمل ہے — اس کے باوجود اس کا یہ اجتہاد قانونی اجتہاد جو محض عقل پر مبنی ہوتا ہے سے الگ ہوتا ہے، کیونکہ ہر فقیہ اپنی بات دلائل اور مصادر شرعی کی روشنی میں کہتا ہے۔

''فقہ اسلامی'' اس علم کا نام ہے جس میں تفصیلی دلائل سے عملی احکام شرعی کو مستنبط کیا جاتا ہے، اور یہ ایسا علم ہے جس میں شرح وتوضیح اور منظم اجتہاد پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ شریعت کا احترام اور بہتر سے بہتر طریقہ پر اس کا نافذ کیا جانا اس کی اصل غرض وغایت ہے، اور فقہ وسیلہ اور ذریعہ ہے۔

اسلامی احکام کے اقسام :

فقہاء احکام شرعی کی اقسام میں سے دو قسموں کے درمیان فرق کرتے ہیں۔

پہلی قسم :

وہ احکام شرعی جو براہ راست کتاب وسنت سے ثابت ہیں اور ان پر صریح نصوص موجود ہیں، ان احکام کی حیثیت شریعت کی بنیاد اور کلیات کی ہے، وہ محدود ہیں اور ان میں تفصیلات سے کم بحث کی جاتی ہے۔

دوسری قسم :

دوسری قسم ان احکام کی ہے جن میں براہ راست کتاب وسنت کی نصوص نہیں ہیں،

بلکہ کتاب وسنت کی نصوص کی روشنی میں فقہاء کے ذریعہ مستنبط کئے ہوئے احکام ہیں، یا قیاس، استصحاب، عرف یا مصالح مرسلہ کو بنیاد بنا کر فقہاء نے مسائل استنباط کئے ہیں، اور یہی وہ میدان ہے جو فقہ کا عملی میدان ہے۔

پہلی نوع کے احکام سے جن مسائل کا تعلق ہے انہیں پر شریعت کا اطلاق ہوتا ہے، جو دوسری قسم کے احکام ہیں، وہ لوگوں کی فہم وفراست (قیاس) کے ذریعہ پیش کئے گئے مسائل شرعیہ کے زمرے میں آتے ہیں، اس لئے یہ متعدد آراء کی شکل میں موجود ہیں (۱)۔ اسی وجہ سے آپ دیکھتے ہیں کہ اسلامی قانون، شریعت اور فقہ کے درمیان بہت سے مقامات پر مطابقت کا فقدان ہے، مجتہد کی کوشش صرف یہ ہوتی ہے کہ مسائل کو حکم شرعی سے ملائے اور مربوط کرے، اگر اپنی اس کوشش میں مجتہد صواب تک پہنچتا ہے تو وہ ایک اجر کا مستحق ہوتا ہے، کوئی بھی فقیہ یہ دعوی نہیں کرسکتا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ بلا اختلاف آسمانی حکم کا درجہ رکھتا ہے، اور اس میں اختلاف کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے، معلوم یہ ہوا کہ احکام شرعیہ پر بہر حال ہر قیمت پر دینی مزاج ومذاق کا رنگ موجود ہوتا ہے، کوئی فقیہ عمومی مصلحت کی بنیاد پر یا محض اپنی سمجھی ہوئی منطق کی اساس پر اپنی رائے کی بنیاد رکھے، اس کے لئے وہ آزاد نہیں ہے، بلکہ اس پر لازم ہے کہ اپنی رائے کی بنیاد مصدر شرعی میں سے کسی مصدر پر رکھے۔

یہی وہ چیز ہے جو موجودہ ممالک کے وضعی قوانین سے اسلامی قانون کے احکام کو ممتاز کرتی ہے، کیونکہ وضعی قوانین میں نہ تو نقل پر اعتماد کیا جاتا ہے، نہ ہی وحی الٰہی کو بنیاد بنایا جاتا ہے، بلکہ اس کی دوسری بنیادیں ہوتی ہیں، اگر چہ بعض فقہاء بھی اپنے اجتہادات میں بسا اوقات انہی جیسی بنیادوں پر اعتماد کرتے ہیں، لیکن ان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ تنہا اسی پر اعتماد کریں۔

---

(۱) دیکھئے: ''مدخل لدراسۃ الشریعۃ الاسلامیۃ'' ۲۴۱/۱، اور اس کے بعد کے صفحات، از ڈاکٹر یوسف القرضاوی (مکتبہ وہبہ — ۱۹۹۰)۔

وضعی قوانین کی بنیاد :

عام طور سے وضعی قوانین کی بنیاد سماج کے باہمی تعلقات کے استوار ہونے پر ہوتی ہے، اور سماج کی انہیں بندشوں کو بنیاد بنا کر قواعد وضوابط بنائے جاتے ہیں، (جسے عرف اور کسٹم بھی کہتے ہیں) اور اسلامی قانون کی بنیاد اصول ومبادیات اور اللہ تعالی کے نازل کردہ قواعد واحکام پر ہوتی ہے، اسی لئے اس پر عمل کرنا بھی لازم ہوتا ہے، لیکن انسان چونکہ اپنی فہم وفراست سے کسی چیز کی تعبیر وتشریح کرتا ہے، اس لئے ان کے ذریعہ طے کردہ عملی، فروعی اور اجتہادی احکام کو مکمل نقائص سے پاک تصور نہیں کیا جاسکتا، اس لئے ایک عہد سے دوسرے عہد اور ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں احکام میں فرق ہونا چاہئے، خاص طور سے معاملات میں، جب واضح علل واحکام موجود ہوں اور علت بدل چکی ہو تو حکم شرعی تبدیل ہوجائے گا، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ "**إن الحكم يدور مع علته وجوداً وعدماً**" (کہ حکم ہمیشہ علت کے ساتھ چلتا ہے، علت باقی تو حکم باقی، علت معدوم تو حکم معدوم)۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مسائل مزید وضاحت سے بیان کرنا ضروری ہے، آئندہ صفحات میں ہم اسی مقصد سے اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کرتے ہیں :

احکام شرعی کی الزامی قوت :

اس وقت میں اس تنازع میں نہیں پڑنا چاہتا جو عمومی شکل میں قانون کے تعلق سے موجود ہے کہ آیا وہ عام اصولوں کی نمائندگی کرتا ہے یا نہیں؟ جن میں معاشروں کے اختلاف سے زیادہ فرق نہیں پڑتا، جیسا کہ وضعی قانون کے علمبردار دعوی کرتے ہیں، یا وہ ایسے احکام کا مجموعہ ہے جو تمام روزمرہ کی پیدا ہونے والی صورت حال اور پوری کمیونٹی کے جملہ مسائل کا احاطہ کرتا ہے، یا وہ ایسے مخصوص مبادیات اور اصولوں پر مشتمل ہے جو نو بہ نو پیش آمدہ مسائل کا حل

پیش کرتے ہیں اور ہر معاشرہ کی سماجی زندگی کو مربوط کرتے ہیں، یا یہ ایسے ضابطوں کی نمائندگی کرتا ہے جو آپس میں ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور ان سب کا مرجع ایک ذات واحد ہے، یا موجودہ اصطلاح میں اقتدار اعلیٰ صرف ایک ذات کو حاصل ہے، البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان قواعد وضوابط اور قانون کا زیادہ تر حصہ اسلام کے ان احکام پر مشتمل ہے، جو آسمان سے نازل ہونے والے احکام کی صورت میں موجود ہیں اور ان کا مقصد سماجی زندگی کے مختلف شعبوں میں انسان کی رہنمائی کرنا ہے، اسلامی قانون کا غالب حصہ ان اوامر کے گرد گھومتا ہے جو قرآن میں نازل ہوئے ہیں، یا سنت رسول میں موجود ہیں اور ہم ان کی اتباع کے مکلف ہیں، لیکن ان اوامر ونواہی کا ایک بڑا حصہ جو کلیات وضوابط کی شکل میں موجود ہے، اس بات کا متقاضی ہے کہ ہمیشہ ان کی توجیہ وتفسیر کی جاتی رہے۔

یہ کہنا بھی بے محل نہیں کہ احکام شرعی پر لوگوں کی عمل آوری اللہ کی مرضی اس کے سنت اور حکم کی تعمیل ہے(۱)۔

چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے : "**یا أیها الرسول بلغ ما أنزل إلیک من ربک، وإن لم تفعل فما بلغت رسالته**" (سورہ مائدہ: ٦٧) (اے پیغمبر! جو کچھ آپ پر، آپ کے پروردگار کی طرف سے اترا ہے، یہ سب آپ لوگوں تک پہنچا دیجئے، اور اگر آپ نے یہ نہیں کیا تو آپ نے اللہ کا پیغام پہنچایا ہی نہیں)۔

"**وأنزلنا إلیک الذکر لتبین للناس ما نزل إلیهم ولعلهم یتفکرون**" (سورہ نحل: ۴۴) (اور ہم نے آپ پر بھی یہ نصیحت نامہ اتارا ہے، تاکہ آپ لوگوں پر ظاہر کردیں جو کچھ ان کے پاس بھیجا گیا ہے اور تاکہ وہ غور وفکر سے کام لیا کریں)۔

"**إنا أنزلنا إلیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما أراک الله ولا تکن**

(۱) دیکھئے: مقدمہ فی اصول التشریع فی المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، دار الکتاب الجامعی القاہرہ ۱۹۸۳ء، ص ۲۹: اور اس کے بعد کے صفحات، ڈاکٹر عماد الشربینی اور مؤلف کے اشتراک سے ترتیب شدہ۔

للخائنين خصيماً "(سورہ نساء: ۱۰۵) (یقینا ہم نے آپ پر کتاب حق کے ساتھ اتاری ہے، تا کہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں اس کے مطابق جو اللہ نے آپ کو سمجھا دیا ہے، اور ان خائنوں کے طرف دار نہ ہوجائیے)۔

اسی طرح احکام شرعیہ کی اتباع کو اللہ تعالی نے اپنے اس ارشاد میں ایمان کے پہلو بہ پہلو ذکر فرمایا ہے :

"**فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی أنفسھم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیماً**" (سورہ نساء: ۶۵) (سو آپ کے پروردگار کی قسم، یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک یہ لوگ اس جھگڑے میں جو ان کے آپس میں ہو آپ کو حکم نہ بنالیں اور پھر جو فیصلہ آپ کر دیں اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور اس کو پورا پورا تسلیم کرلیں)۔

"**فإن تنازعتم فی شيء فردوہ إلی اللہ والرسول إن کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر**" (سورہ نساء: ۵۹) (پھر اگر تم میں باہم اختلاف ہوجائے کسی چیز میں تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا لیا کرو، اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو)۔

"**وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا**" (سورہ حشر: ۷) (تو رسول تمہیں جو کچھ دیدیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس سے وہ تمہیں روک دیں رک جایا کرو)۔

اس طرح ہم نے یہ دیکھا کہ یہ شرعی قواعد وضوابط واجب الاتباع ہیں، چونکہ دراصل یہ اللہ تعالی کے وہ فرامین ہیں جو اہل ایمان کے لئے فرمان شاہی سے بہت بڑھ کر ہیں، اور ان کی اطاعت لازم ہے، اس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ شرعی قوانین پر عمل پیرا ہونے کا مطالبہ مسلمانوں سے صرف اس لئے ہے کہ وہ اللہ کے حکم پر مبنی ہے، اور مسلمان ذات باری پر ایمان رکھتا ہے، اس

بات میں کوئی معقولیت نہیں کہ شریعت وضعی قانون سے ماخوذ ہے، بلکہ وضعی قوانین شریعت سے ماخوذ ہیں اور یہی حق ہے، چونکہ شریعت اسلامی قوانین کو حکومت وسلطنت سے نہیں، بلکہ اللہ کی مشیئت سے مربوط کرتی ہے، اسی طرح قانون کے بعض مکاتب فکر فقہ اسلامی سے اس لیے متاثر ہیں کہ فقہ اسلامی اللہ کے ارادہ ومشیت سے عبارت ہے(۱)۔

ابھی ہم نے ذکر کیا کہ ایمان کے مختلف شعبوں کا قوانین شرعی سے مربوط ہونا احکام شرعی کو ایک قسم کی فیصلہ کن قوت عطا کرتی ہے چونکہ اس کا تعلق انسان کے عقیدہ سے ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ انسان ہی ہمیشہ نصوص کی تفسیر کرتے ہیں، اور فقہاء نے مختلف ادوار میں ان کی فہم اوران پر مختلف احکام کی بنیاد رکھنے میں وسعت پیدا کی ہے اور ہر زمانہ میں جہاں بھی اسلام داخل ہوا اسی قانون پر لوگ عمل پیرا رہے، اب مثال کے طور پر قرآن کریم میں نازل آیت قصاص ہے:"**یا أیها الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی الحر بالحر والعبد بالعبد والأنثی بالأنثی**" (سورہ بقرہ: ۱۷۸) (اے ایمان والو تم پر مقتولوں کے باب میں قصاص فرض کیا گیا ہے، آزاد کے بدلے میں آزاد اور غلام کے بدلے میں غلام اور عورت کے بدلے میں عورت)۔ ہمیں قصاص کے معنی ومصداق کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے کہ کیا حالات کے اختلاف سے اس کی شکل بدل سکتی ہے، یا وہی حالت برقرار رہے گی، آج ہم کس طرح قصاص کو نافذ کریں گے، اس کی تطبیق وتنفیذ کی کیا صورت ہوگی؟ قتل خطا اور اس ضرب کاری کی مار کا کیا حکم ہوگا جو انسان کو موت تک پہنچا دیتی ہے، اس کے علاوہ اور بھی بہت سے دوسرے امور ہیں جن کو یہ نص شامل ہے، باریک بینی سے اس نص کو اور اس کے

(۱) (ڈاکٹر محمد کامل یاقوت نے یہ ثابت کیا ہے کہ پیڑ یا جو موجودہ وضعی قوانین کا موسس ہے، اوراس نے اندلس میں ہی زندگی گذاری وہ فقہ اسلامی ہی سے متاثر تھا، بلکہ اس نے قانون کو سمجھنے اوراسے ترتیب دینے میں فقہ اسلامی سے ہی استفادہ کیا تھا اور اسی سے قانون کے اقتباسات اخذ کئے تھے، دیکھے موصوف کا رسالہ : "الشخصیة الدولیة فی الشرعیة الاسلامیہ والقانون الدولی، طبع قاہرہ، ۱۹۷۰ء صفحہ نمبر ۲۰ ۴:)۔

مصداق کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

اسی طرح جب ہم یہ آیت پڑھتے ہیں: "**والسارق والسارقة فاقطعوا أيديهما جزاء بما كسبا**" (مائدہ: ۳۸) (اور چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو، ان کے کرتوتوں کے عوض میں) تو یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ قرآن سرقہ سے کیا مراد لیتا ہے؟

فقہ اسلامی نے مختلف ایسی شرطیں عائد کی ہیں جو 'سارق' (چوری کرنے والے) سے متعلق ہیں، اس جرم کو ثابت کرنے اور اس کے نتیجہ میں چوری کی حد جاری کرنے کے کچھ ضوابط ہیں جن کی پابندی ضروری ہے۔

چوری اور سرقہ کے معاملہ میں فقہاء کی طے کردہ شرائط یہ ہیں :

— چوری کی حد کے لئے مال کا ایک نصاب متعین ہے، جب مال نصاب سے کم ہوگا تو ظاہر ہے کہ حد نافذ کرنا ممکن نہیں ہوگا۔

— اسی طرح مال کسی بند جگہ محفوظ ہو، تا کہ جو لوگ اپنے مال کی حفاظت نہیں کرتے ان کی غفلت کا بوجھ کسی عام آدمی کو نہ اٹھانا پڑے۔

اسی طرح اس کی اور بھی بعض اہم شرطیں ہیں مثلاً مال کا چوری کرنے والے کی کسی بھی قسم کی ملکیت کے شبہ سے خالی ہونا۔

اسی طرح یہ بھی ضابطہ اہم ہے کہ چوری کی حد کے نفاذ میں اس بات کو ملحوظ رکھا جائے کہ آخر چوری کرنے والے نے کس حالت میں اس کی جرأت کی، اس کے پاس زندگی بچانے کے لئے کوئی دوسرا ذریعہ تھا یا نہیں، اگر نہیں تھا تو اس پر حد جاری نہیں ہوگی (۱)۔

---

(۱) دیکھئے: معوقات تطبیق از شریعۃ الاسلامیہ، شیخ ن، ع قطان، مکتبہ وہبہ ۱۹۹۱ء، ص ۹۷: اور اس کے بعد کے صفحات، المغنی، ابن قدامہ ۶۷/۱۷ ۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اگرچہ وہ احکام جو فقہ اسلامی کے ذریعہ تشکیل پائے ہیں، آسمان سے نازل ہونے والی وحی پر مبنی ہیں، مگر اس کی تفسیر وتعبیر تو انسانوں نے ہی کی ہے، ظاہر ہے آسمان سے نازل شدہ قوانین کو اپنے اصول وکلیہ ہونے میں جو مقام اور تقدیس حاصل ہے وہ مقام انسان کے ذریعہ تشریح وتفسیر شدہ عملی قانون کو حاصل نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ ایک مفسر سے دوسرے مفسر کی تشریح وتفسیر بالکل مختلف ہوتی ہے، ایک فقیہ سے دوسرے فقیہ کی رائے اور اجتہاد میں فرق ہوتا ہے، یہی چیز اسلامی قانون کے بڑے پیمانہ پر عملی میدان میں پھیلاؤ اور حرکیت کا باعث ہے، اور اس سے مختلف زمان ومکان کے لحاظ سے احکام مختلف ہوئے، اور اس کے نتیجہ میں الگ الگ فقہ اور شرح دین کے علاحدہ علاحدہ مکاتب فکر وجود میں آئے ہیں، اور اسی سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ فقہی اجتہادات کا عمل ہمیشہ قائم رہا ہے، اور یہ مسلسل جاری رہنے والا عمل ہے، کیونکہ احوال وظروف اور سماجی عرف میں تبدیلی آتی رہتی ہے اور اس کے تحت نظریات بدلتے رہتے ہیں، یہ عمل اس لئے جاری وساری رہتا ہے، تاکہ نئے اور بدلے ہوئے حالات اور تغیر پذیر زندگی پر بآسانی نصوص کو منطبق کیا جاسکے، اسی لئے ترقی اور تبدیلی کے نتیجہ میں انسانی زندگی میں جتنے بھی مسائل ومشکلات پیدا ہوئی ہیں ہمیشہ فقہ اسلامی نے ان کا حل پیش کیا ہے۔ یہ طبعی تقاضا ہے کہ ان کا حل مختلف انداز سے پیش کیا جائے، چنانچہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے یہاں فقہ کے ایک سے زیادہ دبستان پائے جاتے ہیں (۱)۔

فقہاء کے اجتہادات اور اختلاف کی حیثیت :

کتاب وسنت کی وہ نصوص جو اپنے معنی کے لحاظ سے ظنی ہیں اور ایک سے زائد معانی کا احتمال رکھتے ہیں، زمان ومکان کی تبدیلی کی وجہ سے ان سے اخذ کئے گئے احکام بھی مختلف

---

(۱) دیکھئے : النظام الشریف فی الاسلام، ڈاکٹر عبد العالی الشناوی، دار الحسین الإسلامیۃ، ازہر، قاہرہ ۲۰۰۳ء، ص ۳: اور اس کے بعد کے صفحات۔

ہوتے ہیں، اور ایسا اس وجہ سے ہوا ہے کہ شریعت کے قواعد وضوابط اور مقاصد شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے اپنے طور پر فقہاء نے اجتہادات کئے ہیں اور فروعی مسائل کا استنباط کیا ہے جو ان کے زمان اور مکان سے ہم آہنگ اور ان کے گرد وپیش کے احوال وعادات کے مناسب رہے ہیں، اور یہ اختلاف استدلال کے طریقوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے بھی ہوا ہے، علماء کے ان اختلافات کو کسی بھی قیمت پر امت کے لئے ضرر رساں اور فساد کا باعث نہیں قرار دیا جا سکتا، خصوصاً جب تک دین کے بنیادی اعتقادی اور عملی مسائل پر پوری امت کا اتفاق ہو، تو ان کو فروعی اختلاف تو کہا جا سکتا ہے اصولی اور اساسی اختلاف نہیں کہا جا سکتا، اور اجتہاد جب تک اساس دین میں اختلاف تک نہ پہنچے، وہ مضر نہیں ہے، اس لئے کہ دین کے بنیادی مسلمات میں پوری امت متفق ہے، جزئیات میں اختلاف اور احکام میں متعدد آراء کا پایا جانا بھی کوئی بُری بات نہیں ہے، اس میں ولی امر اور حاکم کے لئے سہولت کا میدان بھی فراہم ہوتا ہے کہ وہ ان مختلف اور متعدد آراء میں سے جس کو عوام کی مصلحت کے موافق سمجھے اختیار کر لے، اور جس کی سماجی زندگی متقاضی ہو اس سے اتفاق کرے، اور امت کے افراد سے حرج وتنگی کو دور کرے، یہی دراصل عظیم ترین فقہی سرمایہ کا مرجع اساسی ہے، انسانی زندگی کے ہر مسئلہ کا حل اس کی روشنی میں تلاش کیا جا سکتا ہے، یہ ممکن نہیں ہے کہ مسائل جو نئی نئی شکلوں اور جہتوں سے سامنے ہیں اور لامحدود ہیں، ان قطعی نصوص کے ذریعہ ان کا حل تلاش کر لیا جائے جو محدود ہیں، اگر ہر حکم کے دلائل قطعی ہوتے تو عقل انسانی پر گراں گزرتا، انسانی افکار جمود وتعطل کا شکار ہوتے، انسان مجبور محض بن کر حرج وتنگی میں مبتلا ہو جاتا اور ہر زمانہ کے نئے مسائل کا حل پیش کرنے اور احکام کو دلائل کی روشنی میں دریافت کرنے سے عاجز ہوتا۔

شریعت اسلامی نے ظنی دلائل کے ذریعہ بے شمار مسائل اخذ کئے ہیں، کیونکہ اس سے علماء مجتہدین کو غور وفکر کرنے کا میدان ملا، شرعی اعتبار سے زمان ومکان کے مناسب حال

معتبر مصالح کو سامنے رکھتے ہوئے مسائل مستنبط کرنے کا موقع نصیب ہوا، یہیں سے فقہاء کے درمیان اکثر مسائل میں ایک سے زیادہ نقاط نظر سامنے آئے، اور ان کا اختلاف امت کے حق میں رحمت کی شکل میں سامنے آیا، اسی لئے حضرت عمر بن عبد العزیز فرمایا کرتے تھے، کہ ''مجھے اس بات سے خوشی نہیں ہوتی کہ صحابہ کرام نے کسی مسئلہ میں کوئی اختلاف نہ کیا ہوتا، اس لئے کہ وہ کسی مسئلہ میں متفق ہوتے اور ان کے بعد کوئی اس کی مخالفت کرتا تو وہ گمراہ قرار پاتا، لیکن جب انہوں نے مسائل میں اختلاف کیا پھر کسی نے ایک قول کو لے لیا اور دوسرے نے دوسرے قول کو اختیار کر لیا تو اس کی گنجائش نکل آئی''(۱)۔

استنباط احکام میں اصول وقواعد اور مقاصد کی رعایت :

علماء مجتہدین نے ایسے معیارات جن کو سامنے رکھنا مسائل کے استنباط کے عمل میں ہر فقیہ اور مجتہد کے لئے ضروری قرار پایا، تا کہ یہ اختلاف تابع بن جائے اور اس علم کو اصول فقہ کہتے ہیں، اس علم کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ فقہ اسلامی کے مآخذ اور دلائل کا علم ہے، یہ علم ان مصادر کی وضاحت کرتا ہے جن سے قواعد واصول یا اصطلاحی تعبیر میں حکم شرعی کو دریافت کرنے کے لئے رجوع کرنا ضروری ہے، اسی طرح یہ علم ان تمام وسائل کو جمع کرتا ہے جو حکم شرعی کے استنباط میں معاون ہوتے ہیں، احادیث کی اصطلاحات اور اقسام کو متعین کیا جن سے حکم شرعی تک پہنچنا آسان ہوتا ہے، اسی طرح ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ علماء اصول نے قیاس کے مفہوم کی تشریح، ان کو منطبق کرنے کے طریقے، استصحاب، استحسان، سد ذرائع اور مصالح مرسلہ کی تشریح وتعین تک اپنی کوششوں کو آگے بڑھایا، اور پھر فقہاء اور اصولین نے وہ قواعد بھی وضع کئے جنہیں ہم اصطلاح میں ''قواعد فقہ'' کے نام سے جانتے ہیں جیسے : **''لا ضرر ولا ضرار''**، **''المشقة تجلب التيسير''**، **''الضرر الأقل يتحمل لدفع الضرر الأكبر''**، اور **''الأمور**

(۱) معوقات تطبیق الشریعہ ۱۰۴:۔

بمقاصدها'' جیسے قواعد۔

اسی طرح علماء اصول نے اسرار شریعت اور مقاصد شریعت کا نظریہ بھی پیش کیا، یہ وہ مقاصد ہیں جو ایک فقیہ اور اصولی کے لئے عمومی رہنمائی کا مقام رکھتے ہیں، اجتہاد کرتے وقت ہمیشہ مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ ان کو پیش نظر رکھے، اور مسائل کا حل دریافت کرتے وقت ان سے رہنمائی حاصل کرے، انہیں مقاصد میں سے حرج اور تنگی کو دور کرنا، لوگوں کی اصلاح، سماج میں خیر کو استوار کرنے کی کوشش، اس میں معاون بننا اور شر کو دور کرنا اور دنیاوی امور میں سہولت وآسانی پہنچانا ہے، جس طرح شریعت کا منشا ہمیشہ عدل وانصاف کی بالادستی ہوتی ہے، مسلم سماج کو اخلاقی قدروں پر باقی رکھنا ہوتا ہے، بھلائی کا حکم اور برائیوں سے روکنا ہوتا ہے، اسی طرح شریعت یہ بھی چاہتی ہے کہ ایسی سوسائٹی وجود میں آئے جس میں خاندان اور صالح خاندانی نظام کی رعایت ہو، سماج کو صالح اصولوں پر باقی رکھا جائے، اسلام نے سماجی زندگی میں ان چیزوں کو ایک اہم اور بنیادی عنصر اور مقصد اساس کے طور پر دیکھا ہے۔

آج کے دور میں مقاصد شریعت سے متعلق بحث وتحقیق بھی اہم امور میں سے ہے، فقہ اور اسلامی قانون میں ہمیں ان کا بھی لحاظ کرنا چاہئے، جس طرح علماء نے نصوص کی علتوں اور حکمتوں کی تلاش وتعیین میں اجتہاد سے کام لیا ہے، جن پر اسلامی قانون سازی کی بنیاد رکھی جاتی ہے، اور ان میں ہمیشہ عدل وانصاف کو بروئے کار لانے، لوگوں کی مادی ومعنوی مصلحت کو پورا کرنے، اخلاق کے تقاضوں پر عمل اور معاملات میں ہر صاحب حق کو اس کا حق دینے اور ان جیسے دیگر اخلاقی اصولوں سے مربوط رکھا، یہیں سے مصالح وحکم اور اسرار شریعت کا ایک مستقل نظریہ وجود میں آیا، جس سے یہ حقیقت سامنے آئی کہ معاملات کے زیادہ تر احکام اس نوعیت کے ہوتے ہیں جس سے انسان کے صالح مفادات حاصل ہوسکیں۔

اللہ تعالی نے شرعی احکام لوگوں کی ہدایت، سلامتی اور محبت باہمی اور سماجی تعاون کی

فضا عام کرنے کے لئے نازل کئے ہیں، اور یہ حقیقت ہے کہ انھیں بنیادی عناصر سے ہمارا اسلامی سماج لوگوں کے آپسی ربط اور ہم آہنگی سے مستحکم ہوتا ہے۔

اسی لئے دوسری فصل میں ہم اسلامی احکام کی انہیں حکمتوں پر ان کو اجتہاد وتجدید کی بنیاد بنا کر گفتگو کریں گے۔

وہ حکمتیں جن پر اسلامی قانون کی بنیاد رکھی جاتی ہے :

اس میں کوئی شک نہیں کہ فقہ اسلامی میں اجتہاد اور تجدید کے اہم وسائل میں احکام کے اسباب کی واقفیت بھی ہے اور یہ اسباب وہ ہیں جنہیں علماء اصول، عِلَل اور حِکَم سے تعبیر کرتے ہیں جن کے اردگرد ہر حکم شرعی باقی رہنے اور اپنے ختم ہونے میں اپنی علتوں کے ساتھ گردش کرتی ہے، اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ ''علت'' کی واقفیت اجتہاد کی اصل اساس اور بنیاد ہے، اور اپنے وسیع تر مفہوم میں قیاس کے باب میں بطور خاص اس کو سامنے رکھا جاتا ہے۔

قرآن کی قانونی ابدیت :

اسلام کا سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے، بلکہ وہ اپنے زندہ جاوید احکام اور مستحکم اصولوں کی وجہ سے پوری انسانی زندگی کا عظیم ترین معجزہ ہے، جس پر کسی چیز کو فوقیت حاصل نہیں ہے، زمانہ خواہ کتنا ہی ترقی کر جائے اس کی قیمت کم نہیں ہو سکتی، کیونکہ یہ وہ احکام ہیں جو خالق کائنات کی جانب سے نازل کئے گئے ہیں، تا کہ حیات انسانی کا جو یہ آخری سلسلہ ہے اس کی یہ دستوری کتاب یہ احکام تجدد پذیر ہیں اور عہد بہ عہد ہونے والی ترقیات سے کسی طور پر پیچھے نہیں، بلکہ یہ کتاب ہر عہد اور ہر زمانے کے انسانی افکار وترقیات کے احاطہ پر قادر ہے، خواہ ایجادات واختراعات اور علوم ومعارف میں کتنی ہی ترقی ہو جائے، وہ کتاب الٰہی کے احاطہ سے باہر نہیں جا سکتی، اس لئے کہ قرآن کریم نے انسانی زندگی کے تمام مراحل کی طرف پہلے ہی اشارہ

کر دیا ہے کہ یہ انسان ترقیات اور علوم ومعارف کے کس مقام تک جا سکتے ہیں (۱)۔

انسان کا قانون سازی کے ساتھ مرحلہ وار آگے بڑھنا اور زندگی کے معاملات کو بہتر شکل دیتے رہنے کا یہ کوئی نیا سلسلہ نہیں ہے، بلکہ طویل ہے، بلکہ یہ کہا جائے تو زیادہ بہتر ہے کہ اس کی تخلیق کے وقت سے ہی ہے اور آخری مرحلہ تک رہے گا، ایسا کوئی سماج نہیں ہوا جہاں قانون کی حکمرانی نہ ہو، اس لیے کہ اگر سماج نہ ہو تو قانون کے التزام کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ انسان اپنی تمام تر ترقیات اور اعلی سے اعلی کامیابی کے حصول کے باوجود قانون سازی کے میدان میں راہ راست کو آج تک نہ پاسکا، وہ جب بھی دو چار قدم اس راہ میں آگے بڑھا ہے اسے ناکامی سے دو چار ہو کر الٹے پاؤں پیچھے کی طرف پلٹنا پڑا، اور عام طور سے ایسا اس لئے ہوا کہ بہت سے ملکوں میں قوانین اخلاقی قدروں سے بہت نیچے گرے ہوئے تھے، جبکہ سماج کی ترقی وعروج کے محل انہیں اخلاقی بنیادوں پر تعمیر کئے جاتے ہیں، جس طرح بعض ممالک نے اپنی آزادی کے دعوی میں اس قدر وسعت برتی اور حریت کے دروازے ایسے کھولے کہ جنسی آزادی اور شہوت رانی کو مطلق العنان چھوڑ دیا گیا، جو نظام اخلاق کے لئے بھی چیلنج بن گیا اور انسان بد خلقی اور رزالت کے دہانے تک پہنچ گیا، عورتوں کی مکمل آزادی کا بعض مسلم سماج میں بھی نمونہ موجود ہے، کیا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ زندگی کے اس زوال نے مغربی

---

(۱) دیکھئے: درج ذیل کتابیں:

- الدلیل الارشادی الی مقاصد الشریعہ، جلد دوم، ڈاکٹر محمد کمال امام، مؤسسۃ الفرقان للتراث الحدیث ۲۰۰۸ء۔
- الصلاۃ مقاصدہا، حکیم ترمذی، تحقیق: حسنی نصر زیدان، دار الکتاب العربی، مصر ۱۹۶۵۔
- محاسن الشریعۃ فی فروع الشافعیۃ، امام ابوبکر بن علی بن اسماعیل معروف بہ قفال۔
- غیاث الامم فی التیاث الظلم (الغیاثی): ابو المعالی الجوینی، مصطفی حلمی و ڈاکٹر فؤاد عبد المنعم، دار الدعوۃ الاسکندریہ ۱۹۷۹ء۔

معاشرے کو اس قدر خطرناک موڑ تک پہنچا دیا ہے کہ اب ہلاکت اس کے دروازے پر دستک دے رہی ہے، اور وہ حیران و پریشان ہے، اسی طرح جنسی آوارگی کی جو صورتحال برطانیہ جیسے ملکوں میں ہے، اس کی وجہ سے انسانیت کو فنا کے گھاٹ اتار دینے والی ایڈز جیسی مہلک بیماری عام ہورہی ہے، لیکن اس کے باوجود وہاں اس سلسلہ میں کوئی سخت قانون نہیں بنتا، جبکہ مختلف مما لک کو پارلیمانی قوت حاصل ہے، وہ اخلاقی قدروں کو عام کرنے کے لئے کوئی بھی معقول قانون بنا سکتے ہیں یا موجودہ قانون میں ترمیم کر سکتے ہیں، اور کسی قانون کے اچھے یا برے ہونے میں معیار بس یہی ہے کہ اس کے اندر مفاد عامہ کو پورا کرنے کی کتنی صلاحیت ہے۔ اور یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ ان مما لک میں تشکیل پانے والے اکثر قوانین اس صلاحیت سے محروم ہیں۔ اس پہلو سے بھی قرآن کریم کا اعجاز روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

قانون سازی کا حق اور طریقہ کار :

قانون بنانے والی ذات صرف اللہ تعالی کی ہے۔ انسانی دنیا کے لئے ضروری ہے کہ جو احکام اللہ نے اسے دیئے ہیں ان کی حاکمیت کو تسلیم کرے اور انھیں کے مطابق فیصلے کرے، قرآن کریم میں اس حقیقت کو کھلے لفظوں میں اجاگر کردیا گیا ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے :

”وأنزلنا إليک الکتاب بالحق مصدقا لما بين يديه من الکتاب ومهيمنا عليه فاحکم بينهم بما أنزل الله ولا تتبع أهوائهم عما جائک من الحق لکل جعلنا منکم شرعة ومنهاجا ولو شاء الله لجعلکم أمة واحدة ولکن ليبلوکم في ما آتاکم فاستبقوا الخيرات إلى الله مرجعکم جميعاً فينبئکم بما کنتم فيه تختلفون، وأن احکم بينهم بما أنزل الله ولا تتبع أهوائهم واحذرهم أن يفتنوک عن بعض ما أنزل الله إليک فإن تولوا فاعلم أنما يريد الله أن يصيبهم ببعض ذنوبهم وإن کثيراً من الناس لفاسقون“
(المائدہ: ۴۷–۴۹) (اور ہم نے آپ پر یہ کتاب اتاری ہے سچائی کے ساتھ، تصدیق کرنے والی

ان کتابوں کی جواس سے پیشتر اتر چکی ہیں، اوران پر محافظ تو آپ ان لوگوں کے درمیان اللہ کے اتارے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ کیا کیجئے، اوران لوگوں کی خواہشوں پر عمل نہ کیجئے، اس سچائی سے الگ ہوکر جو آپ کے پاس آچکی ہے، تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک خاص شریعت اورراہ رکھی تھی اوراللہ چاہتا توتم سب کوایک ہی امت بنادیتا،لیکن اس نے ایسا نہیں کیا، تا کہ تمہیں آزماتا رہے اس میں جو وہ تمہیں دیتا رہا ہے،توتم نیکیوں کی طرف لپکو، اللہ ہی کی طرف تم سب کولوٹنا ہے،تو وہ تمہیں وہ بتادے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہے ہواورآپ ان لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے رہئے اسی قانون کے مطابق جواللہ نے نازل کیا ہے، اوران کی خواہشوں پر عمل نہ کیجئے اوران لوگوں سے احتیاط رکھئے کہ کہیں وہ آپ کو بچلا نہ دیں آپ پراتارے ہوئے اللہ کے کسی حکم سے، پھراگر یہ روگردانی کریں تو جان لیجئے کہ اللہ کوبس یہی منظور ہے کہ ان کے بعض جرموں پرانہیں پاداش کو پہنچادے،اوریقینا زیادہ آدمی تو بے حکم ہی ہوتے آئے ہیں)۔

قانون ساز مجلس کا حق ہے کہ وہ قانون بنائے اورایسا قانون بنائے جوملک کی پوری کمیونٹی کے لئے مفید ہو،لیکن یہ حق بھی اس مجلس کو مطلق طور پر حاصل نہیں ہے کہ وہ جس طرح کا بھی قانون چاہے تشکیل کرے، بلکہ صرف اتنی قید ضروری نہیں کہ وہ قانون اسلامی شریعت سے متصادم نہ ہو، جیسا کہ مصر میں بعض حکومت کے عہدیداروں کی طرف سے سامنے آیا، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ جس مفاد عامہ کے حق میں وہ قانون بنایا گیا ہے وہ دین کے جوہر اورمغز اوراس کے عمومی احکام ونصوص کے متوازی نہ ہو، بلکہ ان سے فائدہ اٹھانے والا ہو، اوراس بات کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ اس قانون سے واقعی وہ مفادات پورے ہورہے ہوں جوشرعاً معتبر ہیں اور واقعی لوگوں کے حق میں ہیں۔

یہیں سے اسلامی قانون کی حکمت ومصلحت کے ادراک کی اہمیت کااندازہ ہوتا ہے، تا کہ ہم ان عمومی قوتوں اورصفات کومعلوم کرسکیں جواس قانون پر غالب اوراس پر نگراں

ہیں، تا کہ ایک قانون ساز کسی قانون کو تشکیل دیتے وقت ان سے رجوع کر سکے اوران کی روشنی میں ان مفاد عامہ کا جائزہ لے جن کا لحاظ کرنا چاہتا ہے۔

امر ونہی کے صیغے عام طور سے لوگوں کو ناپسند ہیں، لوگ ان صیغوں کو پسند نہیں کرتے، اس لئے امر کا صیغہ خاص طور سے موجودہ آزاد اور انسانی علم کی ترقی کے دور میں —— جس میں کہ آزادی کا تصور اپنی انتہاء کو پہنچ چکا ہے —— اس کی حکمت ومصلحت کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ استعمال کیا جانا ضروری ہے۔

اسلامی احکام میں حکمت اور مصلحت :

اللہ تعالی بندوں کا خالق ہے، اور بغض وعناد ان کے اندر کس قدر پایا جاتا ہے، اس سے بھی اچھی طرح واقف ہے، اس لئے کوئی بھی حکم جو اللہ تعالی نے نازل کیا ہے اس کی کوئی نہ کوئی حکمت ہے، ہر حکم کے پیچھے کوئی نہ کوئی مصلحت ہے، یہی وجہ ہے کہ جو بھی حکم اس نے نازل کیا اس میں مخلوق کے لئے کیا فوائد ہیں ان کو بھی واضح کر دیا، اور اس کے ترک کرنے کے کیا نقصانات ہیں اس کو بھی بیان کر دیا۔

یہ ایک بڑا اعجاز ہے کہ قرآن میں احکام کی آیات ان کی حکمتوں اور مصالح کے ساتھ مربوط ہیں، حکمتوں اور مصلحتوں سے پر ہیں، مقام تعجب ہے کہ قرآن کا یہ انداز ان آیتوں میں بھی پایا جاتا ہے جن کا تعلق خالص عبادات سے ہے، اور عام طور سے ان کی حکمت وغایت اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان قربت کو قرار دیا گیا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان عبادتوں کو مشروع قرار دینے کی بعض دنیوی اور اخروی حکمتیں بھی بیان کی گئی ہیں، ہاں جو آیات معاملات سے متعلق ہیں ان میں حکمت ومصلحت کو بیان کرنے کا اہتمام زیادہ کیا گیا ہے، چونکہ معاملات ہی دراصل لوگوں کے روابط کو باہم استوار رکھتے ہیں، اور یہی وہ امور ہیں جو موجودہ قانون سازی میں سب سے زیادہ قابل توجہ ہوتے ہیں، اور یہ عام قاعدہ بن گیا ہے کہ حکم اپنی علت کے ساتھ

دائر ہوگا، یعنی حکم کے وجود میں آنے کا سبب موجود ہوتو وہ وجود میں آئے گا، سبب معدوم ہوتو اس کا وجود میں آنا محال ہے۔

بہت سی ایسی محکم آیات ہیں جن میں اسلامی قانون وشریعت کی حکمتوں کو اجاگر کیا گیا ہے، وہ آیات ان کے علاوہ ہیں جن سے مستنبط ہونے والے احکام میں اختلاف ہے اور جن میں عام طور سے حکمت واسرار کے بیان کا اہتمام ہوتا ہے، اس طرح اگر غور کریں تو ہمارے لئے ہر حکم کی حکمت بیان کرنا ممکن ہے اور ان حکمتوں پر ہم بحث بھی کرسکتے ہیں، ان کے ذریعہ اس حکم کی معنویت اور اہمیت کو موجودہ دور میں ثابت بھی کرسکتے ہیں، مثال کے طور پر عبادات کے باب میں نماز ہی کو لے لیجئے اس کے بارے میں بہت سی آیات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نماز فحش اور منکرات سے روکتی ہے (یہ حکمت ہی تو ہے)، اسی طرح ہم روزے کی حکمت بیان کرسکتے ہیں کہ روزہ انسان کے اندر تقوی پیدا کرتا ہے، اس کے اندر صبر وضبط کی قوت پیدا ہوتی ہے، زکوۃ کی حکمت یہ ہے کہ وہ مال اور نفس دونوں کو پاک کرتا ہے، اور غربت وافلاس کو دور کرتا ہے۔

یہ وہ امور ہیں جہاں ہم کو تھوڑی دیر رک کر غور کرنا چاہئے، اور جاننے کی کوشش کرنی چاہئے کہ ہر عبادت کے اندر کوئی نہ کوئی حکمت، بلکہ بہت سی حکمتیں ہیں جن کے جاننے کا اور ان سے دین ودنیا میں استفادہ کرنے کی انسان کو ہمیشہ ضرورت ہے۔

اسی طرح وہ احکام جن کا تعلق معاملات سے ہے، ان کی حکمتوں کو جاننا، جیسے شراب کی حرمت، خنزیر کی حرمت، جوئے کی خرابی کہ ان میں گناہ تو ہے ہی ساتھ ہی ان کے ذریعہ شیطان اپنے مکر وفریب میں پھنسا کر انسانوں کو باہم بغض وعداوت میں جو مبتلا کرنا چاہتا ہے، اس سے انسان کو بچانا بھی مقصود ہے، یہ وہ واضح حقائق ہیں جن کا مشاہدہ ان لوگوں کی زندگی میں بآسانی کیا جاسکتا ہے جو ان کے عادی ہیں اور ان کا نفس امّارہ ہوا پرستی کی قید میں گرفتار ہے، اور

وہ ان لعنتوں میں گرفتار ہونے کی وجہ سے بڑے سے بڑے بڑے جرائم کاارتکاب کرتے پھرتے ہیں۔

اسی طرح عہد و پیمان کی پابندی، جو انسان کے اندر حسن اخلاق کے جوہر کے ساتھ ساتھ چلتی ہے اور باہم روابط برقرار رہتے ہیں، ہم قرآن کریم میں پڑھتے ہیں کہ عہد شکنی کرنے والے کو اس بڑھیا سے تشبیہ دی گئی ہے جو رات بھر سوت کاتتی ہے اور پھر اسے ادھیڑ کر تھکتی اور پریشان ہوتی رہتی ہے، اسی طرح قصاص کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس میں زندگی ہے، ان تمام حکمتوں کو سامنے لانے کے فوائد ظاہر ہیں، اسی طرح قرآن نے تمام حدود کی آیات میں ایک طرح کا چیلنج پیش کیا اور ارتکاب پر دھمکی آمیز لب ولہجہ میں گفتگو کی، تاکہ لوگوں سے ظلم وزیادتی کو روکا جا سکے، اور اسلامی سماج کو ان کی وجہ سے پہنچنے والے نقصان سے بچایا جا سکے، اسی وجہ سے ان جرائم کے ارتکاب کرنے والوں کے خلاف سزائیں اور عقوبات متعین کی گئیں ہیں، تاکہ جرائم کے خوگر اس خوف سے جرائم کے قریب نہ جائیں۔

اسی طرح حد قذف ان لوگوں کے لئے مقرر کی گئی جو امت میں فساد اور فحش ومنکرات پھیلانا چاہتے ہیں، حد زنا ان شوہروں اور بیویوں کے لئے جو مقدس رشتہ اور اختلاط نسب کی پروا کئے بغیر ایک دوسرے کے حق میں خبائث کا ارتکاب کرتے ہیں، یا اس معاشرے کے خلاف زیادتی اور حسب ونسب جیسے رشتہ کو پامال کرنے کی جرأت کرتے ہیں جن کے یہاں حسب ونسب کا لحاظ ہے، اسی طرح شر پسندوں، ڈاکہ زنی کرنے والوں اور فسادیوں کے خلاف سولی دینے، انہیں قتل کرنے یا انہیں شہر بدر کرنے کی سزا اور حد جو کمیونٹی کے خلاف فساد پھیلانا چاہتے ہیں اور ان کی عزت وآبرو اور جان ومال پر دھاوا بولتے ہیں، اسی طرح شراب کی حد کہ شراب پینے والے اپنی عقل وخرد کو ضائع کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں، اور جو لوگ اس سے اعراض کرتے ہیں ان کے خلاف جرم کا ارتکاب کرنے کے لئے خود کو تیار کرتے ہیں، اس طرح ہم قرآن میں مذکورہ سزاؤں کی حکمتوں کو واضح لفظوں میں پڑھ سکتے ہیں، آپ دیکھئے! حد ایک شخص

پر نافذ ہو رہی ہے، مگر اس کے اثرات پوری جماعت پر پڑ رہے ہیں کہ پوری جماعت اس کے نتیجہ میں محفوظ ہو رہی ہے، اس مفہوم کو آپ قرآن کریم کی اس آیت کے ذریعہ سمجھ سکتے ہیں۔

"من أجل ذلك كتبنا على بني إسرائيل أنه من قتل نفساً بغير نفس أو فساد في الأرض فكأنما قتل الناس جميعاً" (المائدہ: ۳۲) (اسی باعث ہم نے بنی اسرائیل پر یہ مقرر کر دیا کہ جو کوئی کسی کی جان کے یا زمین میں فساد کے عوض کے بغیر مار ڈالے تو گویا اس نے سارے آدمیوں کو مار ڈالا)۔

میرا مقصد اس وقت ہر آیت کے حکم اور اس کی علت و مقصد کو بیان کرنا نہیں ہے، اس لئے کہ اس کے لئے کافی وسیع بحث وتحقیق کی ضرورت ہے، بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ شریعت اسلامی کے قوانین کے پس پردہ جو مقاصد ہیں ان کو سامنے رکھا جائے، انھیں بروئے کار لایا جائے، اور ہر قانون کو اس کی ضرورت ہے، اور اسلامی قانون سازی میں ان کے ذریعہ ایک سمت متعین ہوتی ہے، بلکہ بالفاظ دیگر اسلامی قانون سازی اور اس کے مشمولات کا مکمل فلسفہ ان مقاصد کے تحت وجود میں آتا ہے جو اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ اس کی تلاش وجستجو اور تعین پر منظم علمی انداز سے کام کیا جائے، شریعت کی مختلف حکمتوں کی نشاندہی کی جائے اور بطور خاص عمومی حکمت جس پر اسلامی قانون کی گرفت ہے، اس سلسلہ میں واضح آیات بھی ہیں جنہیں واضح انداز میں اور مکمل طور پر اگر سامنے رکھا جائے تو قانون کے مختلف زاویے اور تشریع کی حکمت سامنے آسکتی ہے۔

اس مختصر تحریر کے ذریعہ یہ بھی دعوی نہیں کیا جا رہا ہے کہ یہ بیان کردہ رمز واشارات اور مسائل پوری شریعت اسلامی کے مصالح اور حکمتوں کا احاطہ کرتے ہیں، بلکہ یہ ایک سرسری جائزہ ہے تاکہ واضح حکمتوں کو پیش کر کے اس کی اہمیت کو سامنے لایا جائے، تاکہ اس تناظر میں شرعی قانون سازی کے بڑے حصہ تک پہنچنا آسان ہو، اور ایک رہنما خطوط کا کام دیں، اللہ

تعالی سے ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالی ہمیں اس سلسلہ میں اور آگے قدم بڑھانے کی توفیق دے۔

اسلامی احکام کی تین اساسی حکمتیں :

فقہ اسلامی کی عمومی حکمتوں کا تحلیل و تجزیہ یہ بتا تا ہے کہ بنیادی طور پر تین حکمتیں ہیں :

(۱) انصاف

(۲) مصلحت

(۳) حسن اخلاق

آگے ہم قدرے وضاحت سے ان حکمتوں پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں :

۱— انصاف اور اسلامی قوانین :

قانونی ضابطہ بندی میں عدل وانصاف کا کردار :

دنیا کے تمام قوانین جو انسانوں کے وضع کئے ہوئے ہیں اور ان کی بنیاد پر آج فیصلے ہو رہے ہیں ان کا بنیادی عنصر عدل ہی ہے اور اسی کے گرد تمام قوانین گردش کرتے ہیں، اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ کوئی بھی قانون جب تک اس کی بنیاد انصاف پر نہ ہو، اسے قانون کے دائرے میں نہیں لایا جاسکتا، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ جتنے بھی قانون کی تنفیذ کرنے والے ادارے اور ذرائع ہیں ان کو انصاف کے ادارے یا انصاف کی ایجنسی ہی کہا جاتا ہے۔

عدالتوں کو ''دُور العدالۃ'' کہا جاتا ہے، قانون کے وزیر کو ''وزیر العدل ٰنی' کہا جاتا ہے، ''وزیر القانون'' نہیں کہا جاتا، اگرچہ عدالتوں کا کام قانون نافذ کرنا ہے، لیکن غور کیا جائے تو ان کا اصل کام انصاف قائم کرنا ہے، قانون صرف انصاف قائم کرنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہے، اسی لئے اگر کبھی قانون کا نفاذ انصاف سے ہٹ جائے، تو قاضی اور جج کے لئے قانون میں مداخلت کرکے اس میں تخفیف یا کوئی نقص ہو تو اسے پورا کرنا، یا از سرنو غور وخوض اور مباحثہ

کے ذریعہ ایسا حل نکالنا جو انصاف کے تقاضے کو پورا کرے، لازم وضروری ہے(۱)۔

اسی طرح ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ مختلف ممالک میں ''عدل وانصاف'' کا قانون کی تنفیذ وترویج میں ہمیشہ اہم رول رہا ہے، بالخصوص ظالم ومظلوم، باپ بیٹے اور حاکم ومحکوم کے درمیان تعلق کی نوعیت اس سے متعین ہوتی ہے، قانونی نظام پر انصاف کی بالادستی کے سبب ہی لوگوں کے درمیان مکمل مساوات قائم ہو پاتی ہے، اسی طرح لین دین کرنے والوں کے درمیان برابری قائم رہتی ہے، انصاف ہی کا یہ تقاضا ہے کہ کسی شخص کی بات کا احترام کیا جاتا ہے، حسن نیت کے ساتھ اس کے عہد اور وعدہ کی تنفیذ ہوتی ہے، لوگوں کے ساتھ معاملات میں اس کو دھوکہ دہی اور فریب سے بچایا جاتا ہے، اگر دوسرا کوئی ضرر پہنچاتا ہے تو اسے بدلہ دلایا جاتا ہے، انہیں اسباب ووجوہ کی بنا پر کہا جاتا ہے :''**العدالة هي الأم التي ولدت القانون**'' (انصاف ہی وہ ماں ہے جس کی کوکھ سے قانون کا جنم ہوا ہے)۔

اگرچہ مختلف ملکوں کے دستور میں ہر فیصلہ میں عدل وانصاف کے اصولوں پر کاربند رہنے کی تلقین نہیں کی گئی ہے، مگر اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کہ اس کو ایک سرچشمہ کی حیثیت ضرور حاصل ہے، جس سے ایسی راست بنیادیں فراہم ہوتی ہیں جن کا قانون میں عمل دخل ہوتا ہے، اور جس سے ہر قانونی ضابطہ کا مرتب قانون مدون کرتے وقت استفادہ کرتا ہے، اور انصاف کی فکر یا انصاف کے شعور سے قانون کی شقیں مرتب کرتا ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہی احساس جو مبنی بر انصاف بھی ہوسکتا ہے اور اس کے برخلاف بھی، مقنن، قاضی، یا دومعاملہ کرنے والے کے درمیان پایا جاتا ہے، اور ملکی یا بین الاقوامی سطح پر قانون بناتے وقت، یا قانونی مواد جمع کرتے وقت یہی احساس مؤثر ہوتا ہے۔

بہت سے لوگ قانون کی ضابطہ بندی، یا قانون سازی کو صرف تین مسائل میں منحصر

(۱) دیکھئے: ہمارا مفصل مقالہ بعنوان: العدالة والانصاف فی القانون الدولی'' شائع شدہ مجلہ الاعتقاد والادارہ، جامعة الملک عبدالعزیز سعودی عرب، شمارہ نمبر ۲: محرم ۱۳۹۶ھ—۱۹۷۶ء، ص/۵۵ اور اس کے بعد کے صفحات۔

سمجھتے ہیں، سیاست، قانون اور انصاف، اور ان میں سے ہر عنصر زمانہ اور مقام کے فرق کے ساتھ کہیں اپنا ایک مؤثر کردار رکھتا ہے، اور کہیں اس کا رول معمولی درجہ کا ہوتا ہے، قانون اور انصاف دو مرکزی دائروں میں آمنے سامنے ہوتے ہیں، دائرۂ انصاف کے مقابلہ دائرۂ قانون کی تحدید کرنا زیادہ آسان ہے، باوجود اس کے دونوں کے مجموعہ سے ہی تمام اصول وضوابط وجود میں آتے ہیں جو انسانی روابط اور ان کے درمیان پیدا ہونے والے مسائل وواقعات کا حل پیش کرتے ہیں، یہ دونوں دائرے، یعنی قانون اور انصاف الگ نہیں ہوسکتے اور نہ ہی ان دونوں سے تجاوز کیا جاسکتا ہے، اور اگر ہوتے ہیں تو دونوں کے درمیان فاصلہ پیدا کرنے والا ہمیشہ محکم نہیں ہوتا، بلکہ اکثر اوقات دونوں میں تداخل بھی پیدا کردیتا ہے، اور یہ اس لئے ہوتا ہے کہ قانون کے شعبہ میں افکار بہت تیزی سے بدلتے ہیں، اور یہ خاص طور سے انتشار کے زمانے میں ہوتا ہے جب افراد کے ضمیر احساسات وشعور اور روشن افکار سے موجزن ہوتے ہیں، اس کے اچھے اثرات ان کے اخلاق وسلوک پر بھی پڑتے ہیں، اور قانون میں حرکت ونمو پیدا کرتے ہیں اور اسے اس لائق بناتے ہیں کہ وہ عدل کے اخلاقی منہج پر قائم رہے اور ضرورت کے لحاظ سے تغیر بھی قبول کرتا رہے۔

قانون کی فقہ اور منطق اس بات پر متفق ہے کہ عدالت کا قانونی قواعد وضوابط کی تشکیل اور نفاذ میں اہم کردار ہوتا ہے، اگرچہ اس کا یہ کردار بھی ہر سماج میں سیاستدانوں کی سیاسی چیرہ دستیوں سے محفوظ نہیں رہا، قانون اس لئے تشکیل دیا جاتا ہے کہ عدالت اور سیاست کی ترجیحات میں توازن قائم رہے، اخلاق اور منافع دونوں کا معیار واعتبار بھی باقی رہے، اسی لئے ہر معاملہ ہمیشہ انصاف پسندانہ حل کا محتاج رہتا ہے چونکہ دیکھا یہ گیا ہے کہ سیاست ہمیشہ نفسانی خواہشات کے تابع رہی ہے۔

اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وضعی قانون، ہمیشہ مثالی ضوابط — فطری قانونی ضوابط — جن کو ہم یہاں قواعد شرعیہ کا نام دے سکتے ہیں اور — جس کا اہم عنصر انصاف ہے — سے ہم آہنگ رہے، اور کس طرح اسلامی احکام میں انصاف موجود ہے، اور کس حد تک قانونِ وضعی اس سے مطابقت حاصل کرسکے گا، یہ اس سلسلہ میں بہت اہم سوال ہے۔

قانون میں عدل وانصاف کا قرآنی اعجاز :

اسلامی شریعت وضعی قوانین سے مختلف نظام ہے، جس میں انصاف ایک مقصد اور ہدف کے طور پر شامل ہے، نہ تو اس میں سیاست کا کوئی رول ہے، اور نہ کسی طرح کے منافع کا حصول شامل ہے، اور نہ حکام کی خواہش کا اس میں کوئی دخل ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی ہی اپنی مخلوق کے ساتھ انصاف کرسکتا ہے اور اسی نے بعض کو بعض کے ساتھ معاملات کرنے کو ضروری بھی قرار دیا ہے، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ آیات میں جن میں عدل وقسط کا حکم ہے، قرآنی اعجاز ان میں روشن نظر آتا ہے، جس کا تقدس واحترام اور اس کی اہمیت بھی ہمیشہ اس سے استفادہ پر مجبور کرتی ہے، اگر چہ اس کے ذریعہ ہمارے ناقص گمان کے مطابق کسی ضرر کا اندیشہ ہی کیوں نہ ہو۔

ہمارے استاذ شیخ ابوزہرہ اس کو ان الفاظ میں دہرایا کرتے تھے : "**إن سمة الإسلام العدالة** " (اسلام کی علامت انصاف اور عدل ہے)، اور ہر وہ اجتماعی نظام جو عدالت پر قائم نہ ہو شکست وریخت سے دوچار ہوتا ہے۔ خواہ اس میں تنظیم کی کتنی ہی قوت ہو۔ اس لئے کہ انصاف ہی ایک ستون ہے، انصاف ہی ایک نظام ہے اور انصاف ہی ہر قانون کی عمارت میں بنیاد کا پتھر ہے (۱)۔

اللہ تعالی بھی قیامت کے دن لوگوں کے ساتھ مکمل انصاف کا معاملہ فرمائے گا، اور کسی چیز کو بغیر حساب وکتاب کے نہیں چھوڑے گا، اچھے کام کرنے والوں کو اچھا بدلہ دے گا،

---

(۱) اگر قاضی کے سامنے کسی پیش آمدہ مسئلہ میں قانون کی کوئی صریح منصفانہ دفعہ موجود نہ ہو تو وہ خود اپنی طرف سے عدل وقسط کو روبہ عمل لاتا ہے، اسی طرح جب قانون میں کسی قسم کا نقص ہو جو انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر ہو تو اس وقت بھی قاضی کا رویہ یہی ہونا چاہئے، یہ بعض ایسے مقدمات جن میں قانون کے مطابق فیصلہ سے عدل متاثر ہو رہا ہو تو اس کے لئے اس فیصلہ کو انصاف کے تحت لانا ضروری ہوتا ہے، انصاف کے وسیع تر اختیارات کو دیکھتے ہوئے وہ یہ بھی کرسکتا ہے کہ کسی غیر منصفانہ قانونی دفعہ کو بالکل نظر انداز کر کے انصاف کا قانون نافذ کرے۔
دیکھئے مولف کی کتاب : "المدخل إلى دراسة التشريع السعودي" بہ اشتراک عمل: ڈاکٹر عبد الناصر العطار۔

اور برے کام کرنے والوں کو سزا دے گا، اور مکمل انصاف کے ساتھ، چنانچہ قرآن کریم میں ہے :

"ونضع موازين القسط ليوم القيامة فلا تظلم نفس شيئاً وإن كان مثقال حبة من خردل أتينا بها وكفى بنا حاسبين" (انبیاء: ۴۷) (اور ہم قیامت کے دن میزان عدل قائم کریں گے سو کسی پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا، اور اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی کسی کا کوئی عمل ہوگا تو اسے بھی لا حاضر کریں گے اور حساب لینے والے ہم ہی کافی ہیں)۔

"فمن يعمل مثقال ذرة خيراً يره ومن يعمل مثقال ذرة شراً يره" (زلزلہ: ۷-۸) (سو جو کوئی ذرہ بھر بھی نیکی کرے گا اسے دیکھ لے گا اور جس کسی نے ذرہ بھر بھی بدی کی ہوگی اسے بھی دیکھ لے گا)۔

اللہ تعالی نے اپنے رسول کو اور بندوں کو یہ وصیت کی ہے کہ زمین پر عدل قائم کریں، چنانچہ ارشاد باری ہے :

"يا أيها الذين آمنوا كونوا قوامين لله شهداء بالقسط، ولا يجرمنكم شنآن قوم على أن لا تعدلوا اعدلوا هو أقرب للتقوى" (مائدہ: ۸) (اے ایمان والو اللہ کے لئے پوری پابندی کرنے والے اور عدل کے ساتھ شہادت دینے والے رہو اور کسی جماعت کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کردے کہ ان کے ساتھ انصاف ہی نہ کرو، انصاف کرتے رہو کہ وہ تقوی سے بہت قریب ہے)۔

اسی طرح :

"إن الله يأمر بالعدل والإحسان وإيتاء ذى القربى وينهى عن الفحشاء والمنكر والبغى يعظكم لعلكم تذكرون" (نحل: ۹۰) (بے شک اللہ عدل کا اور حسن سلوک کا اور اہل قرابت کو دیتے رہنے کا حکم دیتا ہے اور کھلی برائی سے اور مطلق برائی سے اور ظلم وسرکشی سے ممانعت کرتا ہے وہ تمہیں پند دیتا ہے، اس لئے تم نصیحت قبول کرو)۔

نیز :

"وأوفوا الكيل والميزان بالقسط لا تكلف نفسا إلا وسعها وإذا قلتم فاعدلوا ولو كان ذا قربى وبعهد الله أوفوا ذلكم وصاكم به لعلكم تذكرون" (انعام: ۱۵۲) (اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پوری کرو ہم کسی شخص پر اس کے تحمل سے زائد بار نہیں ڈالتے اور جب بولو تو عدل کا خیال رکھو، اگر چہ وہ شخص قرابت دار ہی ہو اور اللہ سے جو عہد کیا ہے اسے پورا کرو اس کا اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے تا کہ تم یاد رکھو)۔

ان آیات میں عدل وانصاف کو گرانقدر اخلاقی سرمایہ قرار دیا گیا ہے، جس کا برتنا زندگی کے تمام معاملات میں بھی ضروری ہے، اور احکام ومسائل مستنبط کرنے میں بھی ضروری ہے۔

اللہ تعالی نے تنبیہ فرمائی ہے کہ تمام معاملات، اور مقدمات میں عدل وانصاف کے ساتھ فیصلے کئے جائیں، اس کی تاکید بے شمار آیات میں کی گئی ہے۔

مثلاً : "إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها وإذا حكمتم بين الناس أن تحكموا بالعدل" (نساء: ۵۸) (اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کو ادا کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو)۔

اسی طرح : "وإن حكمت فاحكم بينهم بالقسط" (مائدہ: ۴۲) (اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان کے درمیان قانون عدل کے مطابق فیصلہ کریں)۔

اسلامی ملکوں کے دوسرے ملکوں سے تعلقات کے پس منظر میں یہ بات کہی گئی ہے :

"لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم وتقسطوا إليهم إن الله يحب المقسطين" (الممتحنہ: ۸) (اللہ تمہیں ان لوگوں کے درمیان حسن سلوک اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا بیشک اللہ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں کو ہی دوست رکھتا ہے)۔

حقیقت یہ ہے کہ عدل وانصاف کو قائم کرنے اور ہر نظام قانون میں عدل وقسط تک رسائی حاصل کرنے کی جوبات قرآن کے حوالہ سے کہی گئی ہے، اور جتنا مواد پیش کیا گیا ہے، یقیناً ان تمام کو بیان کرنا بہت دشوار ہے، لیکن اگر میں یہ کہوں تو مبالغہ نہیں ہوگا کہ وہ تمام آیات جن میں انسانی زندگی کے طور طریقوں اور انسانوں کے زمین پر زندگی گذارنے کے طریقے بتائے گئے ہیں، وہ مکمل عدل وانصاف سے مربوط، بلکہ عدل وانصاف ان میں مقصد اصلی اور بنیادی ہدف کی حیثیت سے شامل ہے، اس لئے ہم نے بطور مثال یہاں چند آیات پر اکتفا کیا ہے، اور محض معاملات کی بعض صورتوں کو پیش کیا ہے۔

عدل اجتماعی :

عدالت (انصاف) کو دوزاویئے میں تقسیم کیا جاسکتا ہے :

ایک ''عدالۃ التوزیع یا عدالۃ القسمۃ''، یعنی ہر اہل حق کے درمیان سامان زندگی اور مال ومتاع برابر برابر تقسیم کرنا اور جس کا جو حق ہے اسے انصاف کے ساتھ حق دینا۔

اور دوسرے ''عدالۃ التعویض''، یعنی لین دین میں اور مالی معاملات ومعاوضات میں ایک دوسرے کو برابر معاوضہ اور بدلہ دینا، یعنی معاوضہ میں برابری اور عدل کا معاملہ کرنا، یہ عدل وانصاف کی مقررہ تقسیم میں سب سے اہم ہے، پہلی قسم جاہ ومنصب اور مال کی تقسیم سے متعلق ہے، اور ہر وہ چیز جو دستور کے مطابق ان لوگوں کے درمیان تقسیم ہوسکتی ہو جن کو دستور تسلیم کرتا ہے، وہ اس میں شامل ہے، اس لئے ضروری ہے کہ معاشرتی خصوصیات اور ذمہ داریوں کے لحاظ سے حقوق تقسیم ہوں، اور تمام شہریوں کو ریاست کی ترقی میں ان کی حصہ داری کے تناسب سے منصفانہ طور پر فائدہ پہنچایا جائے (۱)۔

(۱) اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے: دبینز لیوڈ کی کتاب ''فکرۃ القانون'' (نظریۂ قانون) کا ترجمہ: سلیم صویص عالم المعرفۃ، کویت، ص ۱۶۲:، اور صوفی ابوطالب کی کتاب : ''مبادیٔ تاریخ القانون'' ص ۲۵۰: ،۱۶۶۹ء۔

عدل وانصاف کی اس صورت کا ذکر قرآن کی متعدد آیات میں آیا ہے، جیسے یہ آیت قرآنی :

”**ما أفاء الله على رسوله من أهل القرى فلله وللرسول ولذى القربى واليتامى والمساكين وابن السبيل كى لا يكون دولة بين الأغنياء منكم، وما أتاكم الرسول فخذوه ومن نهاكم عنه فانتهوا**“ (حشر: ۷) (اللہ اپنے رسول کو دوسری بستیوں والوں سے بطور فیئ دلوادے سووہ اللہ ہی کا حق ہے اور رسول کا اور رسول کے عزیزوں کا اور یتیموں کا اور مسکینوں کا اور مسافروں کا تا کہ وہ مال فیئ تمہارے تونگروں ہی کے قبضہ میں نہ آجائے، تو رسول جو کچھ تم کو دیدیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس سے وہ تمھیں روک دیں رک جایا کرو)۔

اسی آیت کی بنیاد پر مفتوحہ اراضی کو فاتحین کے درمیان تقسیم نہ کئے جانے کا فیصلہ فرمایا گیا، بلکہ قانون بنایا گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ جب اسلامی مملکت کا دائرہ وسیع ہوا اور بعض دوسرے علاقے اسلام کے زیر نگیں آئے اور اس طرح اسلامی مملکت کا جزو بن گئے تو وہاں کی اراضی پر تصرف کے طریقوں کے بارے میں حضرت عمرؓ کے ساتھ بعض دوسرے صحابہ نے اختلاف کیا، یہاں تک غالب رائے اس طرف تھی کہ ان مفتوحہ زمینوں کو آیت غنیمت کے موافق فاتحین کے درمیان تقسیم کردیا جائے، مگر حضرت عمر فاروقؓ نے مذکورہ آیات کو سامنے رکھتے ہوئے اس تقسیم کو منع کردیا، ان زمینوں کو ان کے مالکان کے پاس یوں ہی چھوڑتے ہوئے ان زمینوں پر خراج نافذ کردیا، اس کے نتیجہ میں ان زمینوں کی پیداوار کو مکمل طریقے سے عام مسلمانوں کے مفاد میں خرچ کیا جانا ممکن ہوسکا۔

اس نص سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ ملت اسلامیہ کے عمومی مصالح کا تقاضا یہ ہے کہ زمینوں کو چندلوگوں کی ملکیت نہ قرار دیا جائے، اس لئے کہ یہ اجتماعی عدل کے بھی خلاف ہے، اور اس آیت قرآنی کی مصلحت کے بھی خلاف ہے جس کا ذکر اوپر ہوا جن میں مستحقین کی مختلف جماعتوں کا تذکرہ ہے جس کے آخر میں ہے :”**والذين جاؤوا من بعدهم**“(الحشر :۱۰)(اور

ان لوگوں کا بھی حق ہے جو ان کے بعد آئے)۔

حضرت عمر فاروقؓ نے بڑی بالغ نظری سے ان کا جواب دیتے ہوئے فرمایا :

"أرأيتم هذه الثغور لا بد من رجال يلزمونها، أرأيتم هذه المدن العظام كالشام، ومصر والكوفة، لابد لها من تشحن بالجيوش، وإدرار العطاء عليهم فمن أين يعطى هؤلاء إن قسمت الأرضين"۔

(تم ان سرحدوں کو دیکھ رہے ہو، ضروری ہے کہ ان پر کچھ لوگ تعینات رہیں، یہ بڑے بڑے شہر ملک شام، مصر، اور کوفہ کو تم دیکھ رہے ہو، ضروری ہے کہ وہاں ہماری فوجیں رہیں، اور ان پر خوب خرچ کیا جائے، اگر ہم ان زمینوں کو تقسیم کردیں گے تو ان پر کہاں سے خرچ کیا جائے گا)۔

اس طرح حضرت عمر بن خطابؓ نے **"عدالة توزيعيه"** (تقسیم میں انصاف) کے قاعدہ پر عمل کیا، یا جسے آپ "عدالہ اجتماعیہ" کہہ سکتے ہیں، انہوں نے مسلمانوں کی ایک جماعت کی یافت کے مقابلے ان میں سے ان لوگوں کو دیکھا جو محتاج ہیں اور جن پر خرچ کیا جانا ضروری ہے، انہوں نے عمومی مصلحت کی رعایت کی، اسلامی ملک میں مفاد عامہ اور عوامی سہولیات کو فراہم کرنے کی مصلحت کو مجاہدین اور فاتحین اور ان کے بچوں کی مصلحت پر ترجیح دی، تا کہ ان زمینوں کی پیداوار تمام کی تمام ان کو پہنچ سکے۔

مذکورہ بالا رہنما اصول کی روشنی میں ہمارے لئے یہ کہنا آسان ہے کہ ہمارے سامنے ایسی واضح نصوص موجود ہیں کہ جن سے ملک اور دولت کے عمومی سرمایہ سے ہر شخص کے استفادہ اور حصول کی تحدید ہوسکتی ہے، ان کے ذریعہ ہم لوگوں کی ضروریات کو واضح کرسکتے ہیں، نہ صرف ان لوگوں کے لئے جو قانون کی تشکیل کے وقت موجود ہوں، بلکہ اپنے بعد آنے والے لوگوں کے لئے بھی، کیا اس وقت کسی بھی ایسے وضعی قانون کا تصور کیا جاسکتا ہے جس میں اس پر توجہ مبذول

(۱) دیکھئے: کتاب الخراج لأبی یوسف فقہ الصحابہ والتابعین، محمد یوسف موسیٰ قاہرہ ۱۹۵۴، المصالح المرسلہ وموقف الفقہاء منہا، محمد مدکور، مجلہ مصر المعاصرہ یولیو ۱۹۶۸ ص ر ۱۶۰۔

کی گئی ہو؟ کھلے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ نہیں۔

اور یہ بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ ان عمومی مصالح کے قوانین مکمل طریقے پر اور شریعت اسلامی اپنی پوری رعنائی کے ساتھ اس وقت نافذ ہو رہی ہے جس وقت نہ مدارس تھے، نہ معاہد تھے، نہ یونیورسٹی تھی، نہ اعلیٰ تعلیمی ادارے تھے، اگر کچھ تھا تو صرف ''جامعۃ الرسول'' (نبوی یونیورسٹی) اور ''مدرسۃ القرآن'' (قرآنی مدرسہ) تھا۔

جہاں تک عدالت کی دوسری صورت کا تعلق ہے، — اور اس سے ہماری مراد لین دین میں مناسب معاوضہ طے کرنے میں انصاف کا لحاظ اور اس پر عمل کرنے کا اسلامی نظام ہے — تو اس کا فائدہ یہ ہے کہ افراد کے باہمی تعلقات کو مستحکم بنانے میں اس سے مدد ملتی ہے، اور اس کے ذریعہ اس بات کا پابند بنایا جا سکتا ہے کہ معاملات اور خاص طور سے باہم تبادلے اور لین دین کے معاملات میں جتنے کا جو مستحق ہو اس سے زیادہ نہ لے، اس سے معاملات اور لین دین میں مالی و اقتصادی توازن باقی رہنے کی ضرورت کا اصول سامنے آتا ہے، اس مقصد کی تکمیل کے لئے بھی ہم کو قرآن وسنت میں اہم اور واضح اصول ملتے ہیں جس میں معاملات میں توازن رکھے جانے اور ایک دوسرے کو محض لوٹنے اور کمانے کے جذبہ سے معاملہ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

قرآن نے ہمیں معاملات میں دونوں جانب توازن کو برقرار رکھنے اور معاملہ کو بہتری کے ساتھ انجام دینے کی جس طرح ترغیب دی ہے، دنیا کے کسی بھی قانون میں اس جامعیت کے ساتھ پیش نہیں کیا گیا ہے، ہمیں اسلامی احکام پر اس زاویہ سے بہت طویل غور وفکر کی ضرورت نہیں، اس سلسلہ میں صرف ''آیت ربا'' (حرمت سود کی آیت) کو پیش کرنا کافی سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **''الذین یأکلون الربا لا یقومون إلا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطان من المس ذلک بأنهم قالوا إنما البیع مثل الربا وأحل الله البیع وحرم الربا فمن جائه**

موعظة من ربه فانتهى فله ما سلف وأمره إلى الله ومن عاد فأولئک أصحاب النار هم فيها خالدون" (البقرہ:۲۷۵) (جولوگ سود کھاتے رہتے ہیں وہ لوگ نہ کھڑے ہوسکیں گے سوا اس کے کہ جیسے وہ کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے جنون سے خطمی بنا دیا ہو، یہ سزا اس لئے ہوگی کہ وہ کہتے ہیں کہ بیع بھی سود ہی کی طرح ہے، حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے، پھر جس کسی کو نصیحت اس کے پروردگار کی طرف سے پہنچ گئی اور وہ باز آ گیا تو جو کچھ پہلے ہو چکا وہ اس کا ہو چکا اور اسی کا معاملہ اللہ کے حوالہ رہا، اور جو کوئی پھر عود کرے تو یہی لوگ دوزخ والے ہیں، اس میں وہ ہمیشہ پڑے رہیں گے)۔

اسی طرح اللہ تعالی نے سختی کے ساتھ ان لوگوں کی نکیر کی ہے جو سود کھاتے ہیں، چنانچہ ارشاد ہے :

"**يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقي من الربا إن كنتم مؤمنين فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله وإن تبتم فلكم رؤوس أموالكم لا تظلمون ولا تظلمون**" (البقرہ: ۲۷۸–۲۷۹) (اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو، لیکن تم نے ایسا نہ کیا تو خبردار ہو جاؤ جنگ کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اور اگر تم توبہ کرلو گے تو تمہارے اصل اموال تمہارے ہی ہیں، نہ تو تم کسی پر ظلم کروگے اور نہ تم پر کسی کا ظلم ہوگا)۔

لوگوں کو قرآن نے اس معاملہ میں ذمہ داری کی بلندی تک پہنچا دیا ہے اور مال کو ہر حالت میں منافع خوری کی ذہنیت سے پاک کیا، لہذا کسی وجہ سے اگر مال کی ادائیگی میں تاخیر ہو رہی ہو تو اس مال کو نتیجہ خیز اور منافع حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بنانے دیا، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے :"**وإن كا ن ذو عسرة فنظرة إلى ميسرة وأن تصدقوا خير لكم إن كنتم تعلمون واتقوا يوما ترجعون فيه إلى الله ثم توفى كل نفس ما كسبت وهم لا يظلمون**" (البقرہ:۲۸۰) (اور

اگر تنگ دست ہے تو اس کے لئے آسودہ حالی تک مہلت ہے، اور اگر معاف کردو تو تمہارے حق میں اور بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو، اور اس دن سے ڈرتے رہو جس میں تم سب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو اس کا معاوضہ پورا پورا ملے گا اور اس پر ذرہ برابر بھی ظلم نہ ہوگا)۔

۲۔مصلحت اور اسلامی احکامات :

ہر قانون کے اندر جامع اور واضح مصلحت کا پایا جانا بھی ضروری ہے، تا کہ اس سے لوگوں کو تشفی اور اطمینان رہے، نیز اس کی طرف لوگوں کا جھکاؤ رہے، اور اس کے نفاذ کو لوگ بہ سروچشم قبول کریں، اس لئے قانون کے ماہرین کہتے ہیں : عمومی مصلحت کا خیال رکھنا کسی بھی قانون کا سب سے بڑا اور اصلی مقصد ہوتا ہے۔

اور اسلامی شریعت کی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں قانون سازی کا عمل مصلحت کی رعایت کے ساتھ انجام پاتا ہے، یہ خصوصیت کسی دوسرے نظام میں نہیں ہے، یہ صرف شریعت کا مقصد عمومی اور اس کا ہدف اصلی ہی نہیں، بلکہ یہ اسلام نے جو احکام دیئے، جو نظام بنایا، اور جن باتوں کو قبول کیا، ان سب میں اس کو ایک واضح اور روشن حکمت کے طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے، اس لئے جہاں بھی حکم شرعی پایا جاتا ہے وہاں مصلحت ضرور پائی جاتی ہے، اور وہاں حکم شرعی ختم ہو جاتا ہے جہاں مصلحت نہیں پائی جاتی، گویا مصلحت کے ساتھ ہی حکم شرعی قائم اور باقی رہتا ہے۔

اسی لئے اسلامی قانون کے ماہرین نے مصالح پر حکم شرعی کی بنیاد رکھنے کے لئے مستقل ایک اساس کے طور پر ''المصالح المرسلہ'' کو شرعی احکام کے لئے ایک بنیاد اور اساس مانا ہے، اس اصول سے ''اولوا الامر'' (مسلم والیان سلطنت) کو وسیع تر اختیارات حاصل ہوتے ہیں، اور بہت سے ان احکام کی تشریح وتفسیر کا ان کو حق حاصل ہوتا ہے جو مصلحت پر مبنی ہوں، جبکہ قدیم فقہاء نے ان سے تعرض نہ کیا ہو۔

ماہرین اصول فقہ کہتے ہیں کہ یہ مصلحت ایک ثابت شدہ امر ہے جو یا تو انسان کے

لئے منافع کے حصول کو آسان بناتی ہے، یا اس کے ضرر کو دور کرنے کا کام کرتی ہے، لوگوں کے ساتھ یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ اس نے تشریع احکام میں فرد اور جماعت کے مصالح کے درمیان توازن قائم فرمایا، اس لئے شریعت نے جن چیزوں کو بھی فرض، واجب یا مباح بنایا ہے، وہ یا تو انسان کی خالص منفعت پر مبنی ہے، یا اس کا نفع اس کے ضرر سے بڑھ کر ہے، یا وہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد کے لئے کسی بڑے نفع کا ضامن ہے، اور اگر کسی چیز کو حرام اور مکروہ قرار دیا ہے تو اس لئے کہ اس سے لوگوں کے کسی عام ضرر کو دور کرنا مقصود ہے، یا جس کا ضرر نفع سے بڑھا ہوا ہے، اس طرح اللہ تعالی نے انسان کے لئے ہر نفع کی چیز کو اس کے لئے منظور فرمایا ہے، اور ہر تکلیف دہ اور ضرر رساں چیز کو اس سے دور کیا ہے، اور اس کو منع فرما دیا ہے، تا کہ یہ بات واضح ہو سکے کہ اللہ تعالی نے انسان کو زمین پر اپنا نائب اور خلیفہ بنایا ہے اور اس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے، اس تناظر میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمام شرعی احکام لوگوں کی بھلائی اور مصلحت، یعنی ان سے ضرر کو دور کرنے اور ان کو نفع پہنچانے کے اصول پر ہی مبنی ہیں، اور اس حقیقت پر تمام علماء اصول اور فقہاء کا مسالک کے اختلاف کے باوجود اجماع اور اتفاق ہے۔

شیخ عبد الوہاب خلاف کہتے ہیں: ''جمہور کے درمیان اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالی نے کوئی بھی حکم اپنے بندے کی مصلحت کے بغیر مقرر نہیں فرمایا، اور یہ مصلحت یا تو ان کے نفع کے حصول پر مبنی ہے یا ان سے ضرر کو دور کرنے پر، احکام کی تشریع کے یہی اسباب ہیں، چنانچہ رمضان میں مریضوں کے لئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت مریض سے مشقت کو دور کرنے کے لئے ہے، شریک اور پڑوسی کے لئے شفعہ کی مشروعیت کی حکمت اس سے ضرر کو دور کرنا ہے، قاتل سے قصاص لئے جانے کی حکمت انسانی جانوں کی حفاظت ہے (۱)۔

(۱) دیکھئے: شیخ عبد الوہاب خلاف: علم اصول الفقہ، ص ۶۸: طبع دوم، قاہرہ مصر ۱۹۴۲ء ڈاکٹر محمد صالح العالی: ''رسالہ فی السیاسۃ الشرعیۃ''، محمد البنا السیاسۃ الشرعیہ قاہرہ، ۲۰۰۷ء۔

علماء اصول نے اس کو کافی وسعت دی ہے، اور تمام احکام شرعی کے حکمتوں سے مربوط ہونے کی حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے بڑی نتیجہ خیز باتیں اخذ کی ہیں، چنانچہ اگر کسی حکم کی علت واضح نہ ہو، پھر بھی علت تک پہنچنے کی آخری کوشش کرنا یا کم از کم اس کے ہم جنس کسی مسئلہ کی علت تک رسائی حاصل کرنا ضروری قرار دیا ہے، جبکہ زیر بحث مسئلہ میں کوا یسا منضبط اور واضح سبب موجود نہ ہو جس پر حکم کی بنیاد رکھی جا سکے، اس لئے کہ بعض احکام کی علت بسا اوقات خفی اور غیر واضح ہوتی ہے، بنا بریں اس کے وجود یا عدم وجود کے بارے میں پتہ لگانا ممکن نہیں ہوتا، چنانچہ اس پر کسی حکم کی بنیاد رکھنا ممکن نہیں ہوتا، اسی طرح حکم کے وجود کو حکمت کے وجود سے یا حکم کے عدم وجود کو حکمت کے عدم وجود سے جوڑنا بھی ایک امر دشوار ہوتا ہے، لیکن نسبۃً حکم اور اس کی علت کے درمیان ربط پیدا کرنا ممکن ہوتا ہے، نتیجہ یہ کہ حکم شرعی وہاں پایا جاتا ہے، جہاں علت پائی جاتی ہے، اگر چہ اس کی حکمت نظروں سے اوجھل ہو۔

اسی طرح اصول فقہ کے ماہرین ایک حکم شرعی کی علت سے واقفیت کی بنا پر اس سے یہ فائدہ اٹھاتے ہیں کہ ان تمام مسائل میں اسی علت کو معتبر مانتے ہیں جو بظاہر اس اصل مسئلہ سے ملتے جلتے ہیں، اس طرح ایک منصوص حکم شرعی کا دائرہ علت میں اشتراک کی بنیاد پر وسیع تر ہوتا جاتا ہے، چونکہ قیاس کہتے ہی ہیں : غیر منصوص مسائل میں سے کسی مسئلہ کو ایسے کسی واقعہ کے ساتھ ملانے یا اس پر قیاس کرنے کو جو نص میں بیان کیا گیا ہے چونکہ حکم کی علت دونوں واقعہ مقیس اور مقیس علیہ میں یکساں ہوتی ہے۔

اس کے بعد علماء اصول نے مصالح مرسلہ کے نظریہ کو فروغ دیا— جیسا کہ میں نے اس سے پہلے اس کو واضح کیا ہے— بلکہ اس کو ایک مصدر تشریعی مانا ہے، اور مصالح مرسلہ اس اصول کو کہا جاتا ہے جس کے تسلیم کئے جانے اور رد کئے جانے کے بارے میں شریعت خاموش ہو، کوئی دلیل اس پر حکم کی بنا رکھنے کے سلسلہ میں موجود نہ ہو، بلکہ اسے اجتہاد کی اہلیت رکھنے

والے اولوا الامر اور حکام کے لئے چھوڑ دیا ہو، اور اسے اختیار کرنے اور رد کرنے کے سلسلہ میں اس حد تک انھیں مختار قرار دیا گیا ہے کہ اگر حالات کا تقاضہ ہو تو اسے اختیار کریں اور اگر کوئی ضرر کا اندیشہ ہو تو اسے چھوڑ دیں، اس لئے کہ ان کا کام نص کے معنی ومفہوم کی گہرائی میں جانا ہے کہ نصوص کے مختلف مدلولات پر غور کریں اور اس طرح حکم علت دریافت کریں، یا کسی ایک مدلول کو متعین کریں، یا مختلف احتمالات میں سے کسی ایک کو اختیار کریں، یا اس کے عام وخاص کو معلوم کریں، یا غیر منصوص مسائل میں اجتہاد سے کام لیں۔

اور واقعہ یہ ہے کہ فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ مصالح مرسلہ معتبر مصادر شرعی میں سے ایک ہے، اس سے جدید مسائل واحکام کو مستنبط کرنے میں کام لیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ اس سے کسی نص اور اجماعی مسئلہ کی مخالفت نہ ہوتی ہو، اس لئے مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ کتاب وسنت کی نصوص کا تجزیہ کرنے اور علل ومقاصد اور غایات — جن پر مسائل کی بنیاد رکھی جاتی ہے — کے استخراج کرنے میں مصالح مرسلہ کو بھی بنیاد بنائے، لہذا کوئی بھی مسئلہ جس کے بارے میں کوئی حکم شرعی موجود نہیں ہے، لیکن اس کے مقاصد کی شارع نے رعایت کی ہے اس میں ایسا حکم وضع کرے جو عمل کے لئے جواز فراہم کرتا ہو، اور اگر یہ دیکھے کہ اس کی وجہ سے عمومی مصالح کو نقصان پہنچ سکتا ہے، اور فرد یا جماعت کو ضرر لاحق ہوسکتا ہے تو اس مصلحت کو رد کردے۔

اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو مصالح مرسلہ دین کی بنیاد اور جوہر میں شامل ہے جس کی رعایت تمام احکام اور نصوص میں رکھی گئی ہے، اسی طرح اجماعی مسائل میں بھی معتبر مصالح کا پورا لحاظ کیا گیا ہے۔

انسانی عقل اور تجربات بندوں کے مصالح ومفادات کا کماحقۂ ادراک نہیں کرسکتے، ضروری ہے کہ غور وفکر کے نتائج کو نصوص شرعی کے میزان پر پرکھا جائے، اگر وہ ان کے موافق ہوں تو اختیار کیا جائے اور اگر مخالف ہوں، بایں معنی کہ لوگ اس کو مصلحت سمجھتے ہوں اور اپنے مفاد میں

تصور کرتے ہوں اور شرعی نصوص اس کے خلاف موجود ہوں تو اسے بیک قلم رد کر دیا جائے (۱)۔

مصالح کے اقسام :

مسلم علماء کی ہمہ گیر اور عدیم النظیر فقہی صلاحیتیں بالکل شروع زمانہ میں ظاہر ہو چکی تھیں، اور وہ اس وقت جب انہوں نے لوگوں پر اللہ کی طرف سے واجب کردہ احکام وقوانین میں مقاصد شریعت کو واضح کرنے میں کامیابی حاصل کی، حجۃ الاسلام امام غزالی اپنی کتاب "المستصفی" میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرماتے ہیں :

شارع کے مخلوق سے وابستہ پانچ مقاصد ہیں : وہ یہ کہ ان کے دین کی حفاظت ہو، جان کی حفاظت ہو، عقل کی حفاظت ہو، نسل کی حفاظت ہو اور ان کے مال کی حفاظت ہو، اور ہر وہ چیز جو ان اصول خمسہ کی حفاظت کی ضمانت دے وہی مصلحت ہے اور ہر وہ چیز جس میں اصول خمسہ فوت ہو جاتے ہوں وہی مفسدہ ہے اور اس کا دور کرنا مصلحت ہے۔

یہ مختلف قانونی احکام کا کتنا واضح تجزیہ اور تحقیق ہے کہ اس کے ذریعہ ہمارے لئے یہ طے کرنا بالکل آسان ہے کہ تمام قانونی احکام انسان کی جان، اس کے مال، اس کے دین اور پوری جماعت کی حفاظت کے ارد گرد گردش کر رہے ہیں، اور اکثر قوانین پر اخلاقی رنگ غالب ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ سیکولر ممالک کے علاوہ دنیا کے تمام ملکوں کے قوانین مذہب کی

---

(۱) یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ اس مسئلہ میں فقہی اختلاف بھی ہے، ظاہری مذہب مصلحت کو بالکل مسترد کرتا ہے، فقط ان مصالح کا اعتبار کرتا ہے جو ظاہر نصوص سے ثابت ہیں اور مصالح پر مبنی تشریح کو محض خواہش نفس پر مبنی بتاتا ہے، دوسرا فریق مصالح کا اعتبار کرتا ہے، اگرچہ اس کے اختیار واعتبار پر قرآن وسنت میں واضح نصوص موجود نہیں ہیں، اور جو رائے میں نے اختیار کی ہے وہ مکمل اعتدال پر مبنی ہے، اور یہی رائے اسلامی قانون سازی کی زندگی اور تازگی کو بتاتی ہے، اور یہی رائے عام سیاسی نظام، اور ان حکمتوں اور مقاصد سے ہم آہنگ ہے جو شریعت میں مطلوب ہیں، اس اختلاف کی تفصیل کے لئے دیکھئے : جلال الدین عبد الرحمن : المصالح المرسلہ ومکانہا فی التشریع الاسلامی، ص ۵۸: اور اس کے بعد کے صفحات، مطبعۃ السعادۃ، ۱۹۸۳ء)۔

بالادستی سے آزاد نہیں ہیں۔

دنیا کے تمام قوانین فرد کا تحفظ کرتے ہیں اور ایسے بہت سے مختلف ضوابط بنائے ہیں جن کے ذریعہ جسم وجان اور حریت کے تحفظ کو یقینی بنایا جاتا ہے، اسی طرح مال کی حفاظت، زیادتی اور ظلم کرنے والے کے تعاقب کا قانون، خاندان بنانے میں انسان کے حقوق، جیسے شادی بیاہ وغیرہ کے قانون، انسانی نسل ہمیشہ باقی رہے، اس کی نسل کا احترام وانصرام ہو، اس طرح قوانین اور دفعات کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ یہ چیزیں ہر دستور میں موجود ہوتی ہیں، اسی طرح سزاؤں کا قانون دنیا کے ہر قانون میں موجود ہے۔

۳- حسن اخلاق اور اسلامی قوانین :

قانون کے ساتھ ساتھ اخلاق بھی ہمیشہ انسان کے رویے اور طرز عمل کو منظم کرتا ہے، اور جماعت کو اعلیٰ ترین اخلاقی خوبیوں تک پہنچاتا ہے، اور تمام احکام کے لئے بنیادی حکمتیں فراہم کرتا ہے، اس زاویے سے اگر دیکھا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ اس کی متعدد آیات میں حسن اخلاق، لوگوں کے ساتھ اچھے معاملات کا مظاہرہ کرنے اور اس کے ذریعہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی وضاحت کی گئی ہے۔

اسی طرح ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ایسے قوانین جو اولوالامر اور ارباب اقتدار کے ذریعہ لوگوں پر نافذ کئے گئے ہیں ان میں بھی بہت حد تک اخلاقی رواداری کو ملحوظ رکھا گیا ہے، قرآن کے اس روشن اعجاز نے ''جیسوب'' جیسے ممتاز بین الاقوامی قانون داں کو یہ کہنے پر مجبور کیا کہ اس وقت کے تمام ملکوں کو قرآنی اخلاقیات پر مبنی مواد واصول پر اپنے قوانین کی بنیاد رکھنی چاہئے(۱)۔

اور یہ حدیث شریعت اسلامی اور قانون کے اخلاقیات پر مبنی ہونے کو مکمل طور پر

---

(۱) دیکھئے: مولف کی کتاب : ''قواعد العلاقات الدولیۃ فی القانون الدولی والشریعۃ الاسلامیۃ'' ص ۲۳: ،مکتبۃ السلام العالمیہ، قاہرہ ۱۹۸۶ء۔

ثابت کرتی اور اس کی حکمت ومصلحت کو اجاگر کرتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

"بعثت لأتمم مکارم الأخلاق" (-----)۔

اسی طرح قرآن کریم میں ہے :

"إن هذا القرآن يهدى للتى هى أقوم ويبشر المؤمنين الذين يعملون الصالحات أن لهم أجراً كبيراً" (اسراء:۹) (بے شک یہ قرآن ایسے طریقہ کی ہدایت کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے اور ایمان والوں کو جو نیک عمل کرتے رہتے ہیں خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لئے بڑا بھاری اجر ہے)۔

اللہ تعالی نے مؤمنین کی صفت اوران کی ذمہ داری بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا :

"والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر ويقيمون الصلاة ويؤتون الزكاة ويطيعون الله ورسوله أولئك سيرحمهم الله إن الله عزيز حكيم" (سورہ توبہ:۷۱) (اور ایمان والے اور ایمان والیاں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، نیک باتوں کا آپس میں حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے رہتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوۃ دیتے رہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ ضرور ان پر رحمت کرے گا بیشک اللہ بڑا اختیار والا ہے اور بڑا حکمت والا ہے)۔

اور علم اخلاق میں جو سب سے پہلی چیز مطلوب ہے وہ ہے عمدہ رویہ، پائیدار اور مہذب رکھ رکھاؤ، ان اخلاقی خصوصیات کو "سورہ فرقان" میں اس طرح جمع کیا گیا ہے :

"وعباد الرحمن الذين يمشون على الأرض هونا وإذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما، والذين يبيتون لربهم سجداً وقياماً، والذين يقولون ربنا اصرف عنا عذاب جهنم إن عذابها كان غراماً، إنها سائت مستقراً ومقاماً، والذين إذا أنفقوا لم

يسرفوا ولم يقتروا وكان بين ذلک قواما، والذين لا يدعون مع الله إلهاً آخر، ولا يقتلون النفس التى حرم الله إلا بالحق ولا يزنون، ومن يفعل ذلک يلق أثاماً، يضاعف له العذاب يوم القيامة ويخلد فيه مهاناً، إلا من تاب وآمن وعمل صالحاً فإنه يتوب إلى الله متاباً، والذين لا يشهدون الزور وإذا مروا باللغو مروا كراماً"

(الفرقان: ٦٣ – ٧١) (اور خدائے رحمن کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب ان سے جہالت والے لوگ بات چیت کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں خیر، اور جو راتوں کو اپنے پروردگار کے سامنے سجدہ وقیام میں لگے رہتے ہیں اور وہ جو دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے جہنم کے عذاب کو دور رکھیو کہ بیشک اس کا عذاب پوری تباہی ہے اور یقیناً وہ جہنم برا ٹھکانہ ہے اور برا مقام ہے، اور وہ لوگ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں، اور اس کے درمیان ان کا خرچ، اعتدال پر قائم رہتا ہے اور جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس انسان کی جان کو اللہ نے محفوظ قرار دے دیا ہے اسے قتل نہیں کرتے، مگر ہاں حق پر اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو کوئی ایسا کرے گا اس کو سزا سے سابقہ پڑے گا قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھتا جائے گا وہ اس میں ہمیشہ ذلیل ہو کر پڑا رہے گا، مگر ہاں جو توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کرتا رہے، سو ایسے لوگوں کو اللہ ان کی بدیوں کی جگہ نیکیاں عنایت کرے گا اور اللہ تو ہے ہی بڑا مغفرت والا بڑا رحمت والا، اور جو کوئی توبہ کرتا ہے اور نیک کام کرتا ہے تو وہ بھی اللہ کی طرف خاص رجوع کر رہا ہے اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ بے ہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے اور جب وہ لغو مشغولوں کے پاس سے گذرتے ہیں تو شرافت کے ساتھ گذر جاتے ہیں)۔

اور اسی حسن اخلاق کو بعض شرعی امور اور قوانین میں اختیار کیا گیا ہے، اور اس کی ایک جھلک درج ذیل اخلاقی اوصاف میں بھی پائی جاتی ہے۔ مثلاً:

وعدہ پورا کرنا : یہ ایک زاویہ اخلاق کو برتنے کا اصول ہے، اور شریعت اسلامی میں اس کو پورا کرنے کو اخلاق کی اساس قرار دیا گیا ہے، اور قرآن نے اس کے احترام اور پاسداری کا حکم بھی دیا ہے، اور اس کی پابندی نہ کرنے والے کو برے انجام کی وعید بھی کی گئی ہے، چنانچہ قرآن میں ہے : "**یا أیها الذین آمنوا أوفوا بالعقود**" (سورہ مائدہ :۱) (اے ایمان والو اپنے عہدوں کو پورا کرو) اور "**والذین هم لأماناتهم وعهدهم راعون**" (سورہ مومنون :۸) (اور جو اپنی امانتوں اور عہدوں کا لحاظ رکھنے والے ہیں)۔

اسی طرح غریبوں اور ضرورت مندوں کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرنا ان کی خدمت میں عطیات وصدقات کا نذرانہ پیش کرنا، اس کو اچھی روش اور اعلی اخلاق کے زمرے میں شامل کیا گیا ہے اور اسی کو شریعت کے بعض احکام میں ایک قانونی حکم کے طور پر شامل کیا گیا ہے، یہی نہیں، بلکہ ارباب اقتدار پر واجب قرار دیا گیا ہے کہ وہ زکوۃ کا مال وصول کریں اور فقراء وغرباء میں تقسیم کا کام انجام دیں، چنانچہ قرآن میں ہے :

"**خذ من أموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها، وصل عليهم إن صلاتك سكن لهم**" (سورہ توبہ:۱۰۳) (آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے اس کے ذریعہ سے آپ انہیں پاک صاف کردیں گے اور آپ ان کے لئے دعا کیجئے بلاشبہ آپ کی دعا ان کے حق میں باعث تسکین ہے)۔

اسی طرح سماج کے اعلی قدروں کے تحفظ جس کو شریعت نے جماعتی ذمہ داریوں میں شامل کیا ہے، کیونکہ اس میں حسب ونسب اور عزت وشرافت کا تحفظ ہوتا ہے اور اس سے کوتاہی اور انحراف کو دنیا اور آخرت دونوں میں باز پرس کا موجب گردانا ہے، چنانچہ قرآن میں اولوالامر کو زانی اور زانیہ دونوں پر "جلد" (کوڑے کی حد) نافذ کرنے کا پابند بنایا گیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے : "**الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة ولا تأخذكم بهما**

رأفة فی دین الله إن کنتم تؤمنون بالله والیوم الآخر ولیشهد عذابهما طائفة من المؤمنین" (سورہ نور:۲) (زنا کار عورت اور زنا کار مرد سو دونوں کا حکم یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو سو درے مارو اور تم لوگوں کو ان دونوں پر اللہ کے معاملہ میں ذرا رحم نہ آنے پائے، اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو اور چاہئے کہ دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر رہے)۔

اسی طرح پاکباز اور باعزت خواتین پر تہمت لگانے والے پر بھی حد جاری کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اگر وہ اس پر چار گواہ نہ پیش کر سکے، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے :

"فاجلدوا ثمانین جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة أبداً وأولئک هم الفاسقون" (النور:۴) (تو انہیں اسّی درّے لگاؤ اور کبھی ان کی کوئی گواہی قبول نہ کرو یہی لوگ تو فاسق ہیں)۔

قانون اور سماج میں انہیں اخلاقیات کی کمی کا نتیجہ ہے کہ آج مغربی معاشرہ اور اس کا خاندانی نظام منتشر ہو چکا ہے، حکومتیں پریشان ہیں، وہاں کے پڑھے لکھے لوگ اور دانشوران پریشان ہیں، انہیں بھنور سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں مل رہا ہے، جبکہ شریعت اسلامی کا دائرۂ اخلاق اتنا وسیع ہے کہ عزت وعصمت کے خلاف جو بھی کسی جرم کا ارتکاب کرتا ہے، اس کے لئے ایسی سخت سزائیں مقرر ہیں جو دنیا کے کسی قانون میں نہیں۔

اسی طرح اخلاقی امور میں سے یہ بھی ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے محبت کریں، شریعت نے اس کے لئے باہمی تعاون کے ضوابط مقرر کئے ہیں، جو نظام زکوۃ کے علاوہ ہے، اس کے علاوہ دوسرے موقعوں پر، جیسے زوجیت اور قرابت کی وجہ سے نان ونفقہ کا وجوب، زوجین کے درمیان الفت ومحبت کا قیام، یہ سب اخلاقی دائرے کی چیزیں ہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے : "ومن آیاته أن خلق لکم من أنفسکم أزواجاً لتسکنوا إلیها وجعل بینکم مودة ورحمة إن فی ذلک لآیات لقوم یتفکرون" (سورہ روم:۲۱) (اور اسی اللہ کی

نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی بیویاں بنائیں، تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت وہمدردی پیدا کردی، بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے رہتے ہیں)۔

اسی طرح مسلمانوں کے ایک دوسرے سے جڑے رہنے پر اخلاقی بنیادوں پر ہی ابھارا گیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے :

"واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا واذكروا نعمة الله عليكم إذ كنتم أعداءً فألف بين قلوبكم فأصبحتم بنعمته إخواناً وكنتم على شفا حفرة من النار فأنقذكم منها كذلك يبين الله لكم آياته لعلكم تهتدون" (آل عمران: ۱۰۳) (اور اللہ کی رسی سب مل کر مضبوط تھامے رہو اور باہم نااتفاقی نہ کرو اور اللہ کا یہ انعام اپنے اوپر یاد رکھو کہ جب تم باہم دشمن تھے تو اس نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی، سو تم اس کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے سو اس نے تمہیں اس سے بچالیا، اسی طرح اللہ اپنے احکام کھول کر سناتا رہتا ہے، تاکہ تم راہ یاب رہو)۔

روابط مسلمانوں میں مکمل طریقے سے بحال رہیں، اس کے لئے امت مسلمہ کو ایک مضبوط ستون کی حیثیت اختیار کرنا ضروری ہے، **"ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر وأولئك هم المفلحون"** (آل عمران: ۱۰۴) (اور ضرور ہے کہ تم میں ایک ایسی جماعت رہے جو نیکی کی طرف بلایا کرے اور بھلائی کا حکم دیا کرے اور بدی سے روکا کرے اور پورے کامیاب تو یہی ہیں)۔

اس طرح اگر دیکھا جائے تو حسن اخلاق ایک اہم ستون ہے جو شریعت کو مطلوب بھی ہے اور اس پر بہت سے قوانین واحکام کی بنیاد بھی رکھی گئی ہے۔

حسن اخلاق، مصالح کی رعایت، لوگوں کے درمیان قیام عدل یہ ساری خوبیاں ایک

دوسرے سے گہرا ربط رکھتی ہیں، اور شریعت نے انسان کی بھلائی کے لئے انھیں ایک اہم عنصر کے طور پر دیکھا ہے، اور اسے اپنانے میں دنیا اور آخرت کی سعادت بھی ہے۔

اس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ احکام واسباب، نیز علتوں اور حکمتوں کے پیچھے شریعت کے دوررس مقاصد کارفرما ہیں، ان مقاصد شریعت سے واقفیت تجدید واجتہاد کے میدان میں کام کرنے والوں کے لئے بے حد ضروری ہے، تاکہ وہ ان جیسے پیش آمدہ نئے مسائل میں ان سے استیناس کر سکے، اور اس طرح فقہ اسلامی اپنے مشمولات کی ہمہ گیری اور تجدد کے ساتھ آگے بڑھتی رہے۔

فقہ اسلامی کی جدید تحقیق کی ضرورت :

اس وقت تقریباً تمام ہی مسلم جامعات میں ''کلیہ الشریعہ'' اور ''کلیۃ الحقوق'' موجود ہیں اور اس سطح تک فقہ اسلامی کی تدریس ہوتی ہے، قابل توجہ امر یہ ہے کہ ''کلیہ الشریعہ'' کی تعلیم اب ترقی کی طرف اپنا رخ موڑ رہی ہے، اس میں قانون کی کتابیں بھی کثرت سے داخل ہو چکی ہیں، لیکن اگر ترقی نہیں ہوئی ہے تو ''کلیۃ الحقوق'' میں فقہ اسلامی کی تحقیق پر بالکل کوئی توجہ نہ ہوئی، بلکہ حقوق کی تعلیم آج بھی مغربی طرز پر جاری وساری ہے، ہم نے اب تک فقہ اسلامی اور شریعت کی تدریس وتعلیم اور تحقیق کے لئے کوئی دروازہ نہیں کھولا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے بہت سے محرکات اور عوامل ہیں، اور یہ صورتحال کچھ خارجی اثرات کی پیداوار بھی ہے، اس وقت دنیا کے نقشہ میں ہمیں اپنی شناخت بنانی ہے اور مسلم شناخت کو درپیش چیلنجز کا مقابلہ بھی کرنا ہے، اس لئے ہمیں شریعت کی تدریس کے مسئلہ پر ترجیحی بنیاد پر غور وفکر کرنا ہے، تاکہ اپنے ذہن وفکر کو استعمال کرتے ہوئے ہم بحث وتحقیق کے میدان میں آگے بڑھ سکیں۔

ا—شریعت اور قانون کی موجودہ تدریسی صورتحال :

ابتدائیہ سے ثانویہ تک کے مدارس کے نصاب اور پروگرام میں ہم فقہ اور شریعت کی

تدریس کا مواد صرف اس حد تک پاتے ہیں کہ اس میں بس عبادات کے احکام بتائے گئے ہیں اور ایک ملک کا نصاب دوسرے ملک سے مختلف ہے، ہم اس پوزیشن میں ہیں کہ اس کا نصاب مقرر کر سکتے ہیں، لیکن ہمارا دل صدمہ سے چور ہو رہا ہے کہ کتنی چیزیں پڑھائی جا رہی ہیں جو دن بدن ہمارے سامنے نقصانات اور پریشانیوں کا لامتناہی سلسلہ قائم کرتی جا رہی ہیں، مثلاً بچوں کی ابتدائی عمر کے لحاظ سے اس عمر میں عبادات کی پریکٹس ہونی چاہئے، اور منظم انداز میں ہونی چاہئے، اس سے ہمارے تعلیمی ادارے خالی ہیں، اسی طرح بچوں کی عمر کا یہ مرحلہ اسلامی اخلاق وآداب اور ان کے نتیجہ میں بچوں کی زندگی میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں اور اثرات سے خالی ہوتا ہے، اس خلا کو پر کرنے کی ضرورت ہے، جبکہ دوسرے مضامین کثرت سے پڑھائے جا رہے ہیں، اور وہ اتنے اہتمام سے داخل نصاب کئے گئے ہیں کہ شرعی مضمون کی تدریس ان سے متاثر ہو رہی ہے، ہمیں اس کا اعتراف کرنا چاہئے کہ اس وقت جو طریقہ ہماری تدریس کا ہے اور جو مواد ہم پڑھا رہے ہیں؛ ہمارے مختلف مسلم ملکوں میں وہ معیاری سطح کا نہیں ہے، جس میں شریعت کی تدریس میں خاطر خواہ دلچسپی دکھائی گئی ہو، یا وہ تخصص کے معیار اور اس کی سطح تک لے جانے میں معاون ہو، جبکہ کسی فن میں تخصص کا رجحان ابتدائی عمر میں ہی پیدا ہوتا ہے۔

یہاں سوچنے کا ایک دوسرا زاویہ بھی ہے جس سے ہم کسی قیمت پر صرف نظر نہیں کر سکتے کہ ہمارے بیشتر مسلم ملکوں میں مغربی استعماری ذہنیت کا غلبہ ہوتا جا رہا ہے، جس کے نتیجہ میں واضح طور پر دینی اور شرعی مضامین سے بے اعتنائی بڑھتی جا رہی ہے(۱)۔

بعض غیر واقعی اسباب کی بنا پر دینی تربیت کے مختلف مراحل کا احتساب ختم ہوتا جا رہا

(۱) قطر میں مقیم بعض علماء نے ہمیں وہاں کی نصابی کتابیں ارسال کی ہیں، ان کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ تربیت اسلامی کی کتابوں میں پہلے جو تصویری نمونے تھے وہ اب بالکل بدل دیئے گئے ہیں، پہلے لڑکیوں کو باحجاب پیش کیا جاتا تھا، اب حجاب کا نام ونشان نہیں۔ اور مصر کے ایک وزیر تعلیم کی حجاب دشمنی پر جو معرکہ گرم ہوا تھا ہم سب اس سے واقف ہیں، اسی طرح ان مضامین میں بھی تبدیلی کی گئی جو یہودیوں کے سلسلہ میں اسلامی نظریہ سے متعلق تھے۔

ہے۔ یہ چیز دینی تربیتی نظام کو مکمل بربادی کی طرف لے جا رہی ہے، ظاہر ہے اس صورت حال میں یہ ممکن نہیں کہ ان نقائص کے ہوتے ہوئے بہتر نتائج سامنے آئیں، مقصد یہ ہے کہ اس ابتری کا بنیادی سبب یہ ہے کہ عیسائی مذہبی مضمون کے اساتذہ، تربیت اسلامی کا مضمون پڑھانے والوں سے بدرجہا بہتر ہیں، جبکہ ان کا یہ تفوق اصلاً کوئی مسئلہ نہیں، کرنے کا کام یہ ہے کہ تربیت اسلامی کے مدرسین کے انتخاب کے لئے ایک یکساں معیار متعین کیا جائے، تا کہ اس قسم کے بدترین نتائج سامنے نہ آئیں۔

ایک پریشان کن مسئلہ غیر ملکی زبان سکھانے والے اداروں کا تیز ترین پھیلاؤ ہے، اسلامی معاشرے کے منتخب افراد کا طبقہ ان سے وابستہ ہے، حیرت تو یہ ہے کہ ان اداروں میں دنیا کی تمام زبانیں پڑھائی جا رہی ہیں، لیکن دینیات اور عربی نہیں پڑھائی جاتی، ان میں دینی و تربیتی مواد نہ ہونے کے برابر ہیں، اور اسی کی وجہ سے ہمارے بچوں میں جو اپنے دین سے بیگانگی اور مغربیت کے اثرات پڑ رہے ہیں وہ ظاہر ہیں۔

اس کے بالمقابل مصر میں جامعہ ازہر کے مدارس، اسی طرح سعودی عرب اور یمن کے دینی ادارے غریب طبقات کے لیے خاص ہو کر رہ گئے ہیں، ان میں دینی مضامین کے پہلو بہ پہلو ثقافتی مضامین کی تعلیم بھی ہوتی ہے، اور ثقافتی مضامین کا دن بہ دن دینی مضامین پر غلبہ بڑھتا جا رہا ہے، تعلیم میں دوہرے پن کا احساس ان جماعتوں پر حاوی ہوتا جا رہا ہے، بہر حال ایک تعلیمی سال میں سرکاری دانش گاہوں میں پڑھائے جانے والے دیگر مضامین کے مکمل تعلیمی نصاب کے ساتھ دینی نصاب کا احاطہ نہیں کیا جا رہا ہے۔

اسی طرح عصری تعلیم کے اداروں میں دینی تعلیم کے مواد اور میدان کو وسیع نہیں رکھا گیا ہے، جن سے کہ بچے دین کی بنیادی معلومات حاصل کر سکیں، فقہ اسلامی کو سمجھ سکیں، ان کے اندر فقہ اسلامی اور قانون کی معلومات پروان چڑھ سکیں، اسی طرح جامعہ ازہر کے اسکولوں کا

نصاب بھرتی کے مضامین سے پُر ہے، طلبہ کے لئے یہ ممکن نہیں ہے وہ سارے مضامین کو سمیٹ کر چل سکیں، اس لئے ازہر کے طلبہ کی بھی ابتدائی تعلیم کے دوران شرعی تعلیم ادھوری، ناقص اور محدود رہ جاتی ہے۔

یونیورسٹیز میں شریعت کی تدریس :

ابتدائی اور ثانوی درجات کی تعلیم اور مدارس واسکول میں فقہ وشریعت کی تدریس سے جب ہم اوپر یونیورسٹیز کی سطح پر آتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ یونیورسٹیز میں بھی شریعت کی تعلیم کے لئے ''کلیۃ الشریعہ'' اور ''کلیۃ الحقوق'' سے آگے کا کوئی نظم نہیں ہے، اور انہیں دونوں پر پوری شریعت کی تعلیم محدود ہے، ''کلیۃ الشریعہ'' میں کسی ایک مسلک کی تقلیدی طور پر تعلیم ہوتی ہے، جیسے مصر میں، اور کبھی کبھی بعض موضوعات میں فقہ مقارن کے دراسہ کا بھی اہتمام ہوتا ہے اور بس۔

۱۹۶۶ء سے مصر میں تمام قانونی کتابوں کو کلیۃ الحقوق کے طرز پر نصاب میں داخل کیا گیا، یعنی شریعت کے مضمون کی تدریس قانونی مضمون کے پہلو بہ پہلو ہونے لگی، اور اس طریقے پر دوسرے اسلامی ملکوں میں بھی تعلیم شروع ہوئی، جس کے کئی نتائج سامنے آئے، پھر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ کلیۃ الحقوق نے شریعت اسلامی کے مواد کی تعلیم میں وہ رول ادا نہیں کیا جو ہونا چاہئے تھا، اور نہ ہی دوسری فیکلٹیز نے اس کو باقی رکھا، یہاں تک کہ وہ فیکلٹیز جو سماجی اور انسانی علوم کا شرعی مطالعہ کرنے کے لئے خاص ہیں ان میں بھی دین اور عقیدہ کو بنیادی اہمیت حاصل نہیں، الا ماشاء اللہ۔

دوسری طرف اسلامی ملکوں کی یونیورسٹیز کے تعلیمی اور تدریسی پروگرام کا جائزہ لیتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ کل کے کل مغربی تصورات ونظریات اور اسی منہج پر مبنی ہیں، اور ان میں اسی پیٹرن پر تعلیم ہو رہی ہے، جس پر گذشتہ صدی کے آغاز میں مغرب میں شروع ہوئی تھی، یا جس طرز پر مغرب نے طریقہ تعلیم وضع کیا تھا، اس کام کو انجام دینے والے اکثر وہ لوگ تھے

جنہوں نے مغربی ممالک میں تعلیم حاصل کی تھی، مغرب کی تقلید میں اسلامی یونیورسٹیز نے ایسا نصاب تیار کیا تھا کہ اس میں یہ گنجائش ہی نہیں چھوڑی کہ مستقل کوئی اسلامی اور شرعی کورس اس میں داخل کیا جا سکے، اور پھر وہی ہوا جو ہونا تھا، ایسی صورتحال ہوئی جس کو بیان کرنا ممکن نہیں، یہاں تک کہ ایک استاد — جس نے مغربی منہج پر تعلیم حاصل کی تھی — نے فلسفہ اور سماجیات میں ابن رشد کے مقابلہ ''میل درکایم'' کو رکھا اور ابن خلدون کے مقابلہ ''اوجست کانٹ'' کو رکھا، اور مغربی استعمار ختم ہوا تو اس نے ہماری زندگی، ہماری سوچ ہمارے زاویۂ فکر، اسلوب اور طریقہ تدریس پر اپنی مکمل بالادستی چھوڑ دی، اور اس وقت ہم مغربی میڈیا کی بالادستی کی وجہ سے اپنی زندگی اور افکار وخیالات کو جس طرح متاثر پا رہے ہیں وہ اس کے علاوہ ہے۔

فقہ اور اصول فقہ کی تدریس کا حال :

اب ہم کلیۃ الشریعہ کی طرف آتے ہیں جس میں بنیادی طور پر فقہ اور اصول فقہ کے مضامین پڑھائے جاتے ہیں ان میں اصلاح، ترقی، تبدیلی، مواد ومضامین اور مشمولات پر کوئی رائے ظاہر کئے بغیر میں اس طرف آتا ہوں کہ جو مواد اس وقت کلیۃ الشریعہ میں پڑھایا جاتا ہے اس کی بنیاد اور اسلوب وہی ہے جو متقدمین علماء نے وضع کئے تھے، میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ متقدمین علماء نے جو کچھ اجتہاد کیا اور پیش کیا وہ ان کے زمانے کے لحاظ سے تھا اور درست تھا، لیکن اب انسانی زندگی ترقی کر چکی ہے، تعلیم کے میدان میں یہ انقلابی دور ہے، یہ مخصوص پروگراموں اور تخصصات کا دور ہے، آج کی زندگی ہر دن ایک نئی مشکل کے سامنے کھڑی رہتی ہے، علم فقہ کوئی جامد علم نہیں ہے، بلکہ یہ علم جزئیات وفروعات سے مربوط ہے، اس کا مقصد ایسے احکام کی تخریج ہے جس کے ذریعہ بندوں کے افعال پر اجتہاد کے ذریعہ اصول وقواعد کی روشنی میں حکم لگایا جاتا ہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جو کچھ بھی پڑھایا جا رہا ہے اور جو کچھ بھی کتابوں میں مذکور ہے وہی ہے جو ہمارے متقدمین علماء نے لکھا ہے، بعض مسائل جدید طور کے شامل

کئے گئے ہیں، فقہ مقارن کی تدریس میں نصابی کمیٹی نے جن موضوعات اور جن جن مذاہب کے درمیان مقارنہ کا نہج طے کیا ہے، ان کی تدریس کے لئے کوئی پیشگی منصوبہ بندی نہیں پائی جاتی۔

جہاں تک اصول کی تدریس کا تعلق ہے تو وہ تو اور بھی ناقص اور پیچیدہ ہے، نہ تو اس میں اجتہاد کے اصول کی تدریس ہو رہی ہے، اور نہ اس وقت علل واسباب اور حکمتوں کے تعلق سے نظر وفکر میں تعمق پیدا کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے جن پر کہ احکام کی بنیاد ہوتی ہے، صرف اس وقت تدریس کی بنیاد ان اصولوں کی محض تلقین تک محدود ہو کر رہ گئی ہے، محقق کو اتنا موقع نہیں دیا جاتا کہ از خود وہ اصول اور قواعد کی کوئی شکل اخذ کر کے پیش کر سکے، اس طرح کے طرز تدریس سے ظاہر ہے کوئی مجتہد اور اصولی پیدا ہونے والا نہیں ہے، یہی صورت حال آج اسلامی جامعات میں تقریباً تمام علوم شرعیہ کی تدریس کا ہے۔

ہم ایک صدی مکمل کرنے جا رہے ہیں، اس وقت ہم اگر پوری دنیا پر نظر ڈالیں اور ایسے علماء کو تلاش کرنے کی کوشش کریں جنہوں نے شرعی علوم میں تفوق حاصل کیا ہو، تو ہمیں مشکل سے ایسے دس علماء بھی نہیں مل پائیں گے جو تجدید اور اجتہاد کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

اس کے علاوہ شریعہ فیکلٹیز میں قانون کی تدریس کا جو نصاب ہے گو کہ اکثر یونیورسٹیز میں داخل ہے، لیکن شرعی تحقیقات اور قانونی تحقیقات کے درمیان موازنہ کا طریقہ نہیں اپنایا گیا ہے، یہ دونوں الگ الگ وادی میں ہیں، ان کے اصولوں میں اتنی جامعیت اور ان سے وابستہ افراد میں اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ اسلامی اور شرعی تحقیقات کی روشنی میں موجودہ پیدا ہونے والی مشکلات اور مسائل کا حل تلاش کر سکیں، میرے عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ شرعی شعبوں میں محض ان کو داخل نصاب کر کے مقاصد حاصل نہیں کئے جا سکتے، ضرورت اس بات کی ہے کہ اجتہاد کے دائرہ کو ان مسائل تک وسیع کیا جائے جو وضعی قوانین کے پیدا کردہ ہیں، اور یہ بات مسلم ہے کہ قانون کوئی علم جامد نہیں ہے اور نہ انسانی زندگی ساکت ہے، بلکہ انسانی زندگی کی

ترقی اس قانون کے ساتھ ساتھ جاری ہے، اور یہ موجودہ قانون ان سب کو اپنے دائرہ میں لئے ہوئے ہے اور ایسے قوانین بنائے جارہے ہیں جن کی روشنی میں ترقیاتی مسائل کا حل نکالا جاتا ہے۔

اسی طرح تخصصات اور اعلی درجہ کی تعلیم جیسے ایم۔اے، ایم۔فل، عالمیت اور ڈاکٹریٹ وغیرہ میں بھی کوئی نیا پن نہیں ہے، بلکہ یہ کہا جائے تو زیادہ مناسب ہے کہ ان کے ذریعہ ہونے والی تحقیقات موجودہ زندگی کی مشکلات کا حل عمدہ طریقہ پر پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

اسی طرح ''کلیۃ الحقوق'' میں بھی سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ ایک ہی شرعی مضمون ہے جو دس قانونی مضامین کے ساتھ ساتھ پڑھادیا جاتا ہے(۱)، اور اسی کی تعلیم وتدریس ہر سال ہورہی ہے، یہ کہا جائے تو زیادہ اچھا ہے کہ کلیۃ الحقوق بھی شریعہ فیکلٹی کی طرح جمود کا شکار ہے، کوئی قابل لحاظ تبدیلی اس میں بھی نہیں ہوئی ہے، اس میں بھی وہی موضوعات اور وہی اسلوب اب تک جاری وساری ہے جو اس صدی کے ربع اول میں وضع کر کے شامل کئے گئے تھے(۲)۔

قانونی مواد کی تدریس میں زیادہ تر جزئیات پڑھائی جاتی ہیں، اور بہت کم ایسے قانون کے اساتذہ ہیں جو دوران سال طلبہ کے سامنے شریعہ کے ساتھ موازنہ پیش کرتے ہوں، بلکہ بیشتر نظریات ومواد ایسے پیش کرتے ہیں جو مغربی افکار سے اور بالخصوص فرانسیسی قانون سے متاثر ہوتے ہیں۔

اس افسوسناک صورت حال کے باوجود بعض شرعی تحقیقات جو ''کلیۃ الحقوق'' قاہرہ کے بعض اساتذہ کی سامنے آئی ہیں، ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، کہ ان میں شریعت

---

(۱) پہلے سال میں شریعت کے اصول ومبادیات، دوسرے سال میں احوال شخصیہ اور نکاح وطلاق اور تیسرے سال میراث، وصیت، وقف اور چوتھے سال میں اصول فقہ۔

(۲) افسوس کہ کئی موضوعات سے متعلق آج تک وہی مثالیں پیش کی جارہی ہیں جو قدیم کتابوں میں ہیں مثلاً ''عبد آبق'' (بھگوڑے غلام) اور موسیقی کے آلات کی حرمت وغیرہ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء نے قواعد واصول کو اچھی طرح ہضم نہیں کیا کہ آج کی دنیا میں پائے جانے والے زندہ عناصر اور جدید مسائل کو اپنی مثالوں میں پیش کرسکیں۔

کے ساتھ مقارنہ بھی پیش کیا گیا ہے، بلکہ یہ تذکرہ بے جا نہ ہوگا کہ ازہر کے بعض پروفیسران قانون کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کے مقالے کو محض اس وجہ سے مسترد کردیتے تھے کہ شریعت کو ان میں مقارنہ کے ساتھ نہیں پیش کیا گیا تھا، جیسے مرحوم پروفیسر حامد سلطان۔

لیکن یہ تلخ حقیقت ہے جس کا ہمیں اعتراف کرنا چاہئے کہ جو افراد کلیۃ الحقوق سے شریعت اسلامی کی ڈگری لے کر نکل رہے ہیں ان میں مطلوبہ معیار کی صلاحیت موجود نہیں ہوتی ہے، حقوق کی شرعی تحقیقات میں ترقیاتی مواد نہیں ہوتے، اور کبھی کبھی تو ''کلیۃ الشریعۃ'' اور قانون میں بڑی تعداد کی یہی صورتحال ہوتی ہے۔

یہ جو اسباب ہم نے شریعت اسلامی کے مواد، اس کی تحقیق اور تدریس کے سلسلہ میں پیش کئے ہیں یہی اعلی تعلیم کی سطح پر بھی ہیں، اور اس انحطاط کے درج ذیل اسباب ہوسکتے ہیں :

۱ــ پسماندگی اور پچھڑا پن :

اس وقت بڑے پیمانہ پر اسلامی دنیا تہذیبی پسماندگی کے دور سے گذر رہی ہے، اور یہ پسماندگی زندگی کے ہر سطح پر اور مختلف شکلوں میں ہے، ہمارے یہاں جہالت عام ہے، عقل وشعور کے استعمال کی کمی ہے، فکری انحطاط ہے، دنیوی شعور اور احساس ذمہ داری کا فقدان ہے، اور اس پسماندگی اور ذہنی پستی نے ان کو مقلد محض بنا رکھا ہے، اور تقلید ہمیشہ فتح مند قوموں کی ہوتی ہے، ہم پر اور پوری دنیا پر اس وقت جو قوم غالب ہے وہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کے زیر سایہ پرورش پانے والی مغربی قوم ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ مغلوب وہزیمت خوردہ قوم ہمیشہ فاتح قوم کی تقلید کی طرف مائل ہوتی ہے، اور اس شکست خوردگی سے قوم کو نکالنے کے لئے ہماری قیادتیں کھڑی بھی ہوتی ہیں تو ان کی طاقت محدود ہونے کی وجہ سے ان کی آواز کو دبا دیا جاتا ہے، اور ان کے خلاف اکثریت کو کھڑا کردیا جاتا ہے۔

مغرب کی بالادستی ہمارے اوپر غیر معمولی ہے، اور ان کے پاس اس تسلط کے لئے بڑے عصری قسم کے طاقتور اور تباہ کن ہتھیار ہیں، ان کے پاس میڈیا کی طاقت ہے جس کی وجہ سے وہ امت مسلمہ کو مغربی سانچے میں ڈھالنے کی قدرت رکھتے ہیں، ہمارے عقائد اور مسلماتِ دین کو بگاڑ کر پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

یہ گلوبلائزیشن کا نعرہ مغرب کی جن بڑی حکومتوں نے بلند کیا انہوں نے اپنے اقتصادی نظام کو (جو سود پر مبنی ہے) قبول کرنے پر مجبور کرنے کے لئے بلند کیا، اس گلوبلائزیشن کا ایک پہلو یہ تھا کہ دنیا کے بڑے بڑے مختلف مما لک عالمی نظام کو قبول کریں، وہ نظام جس کو انہوں نے خود تشکیل دیا ہے، اس لئے کہ وہ پورا اقتصادی نظام جسے انہوں نے وضع کیا تھا شکست وریخت کا شکار ہو گیا تھا، یا بہت حد تک تبدیل ہو چکا تھا، اور اس گلوبلائزیشن کا تہذیبی اور ثقافتی پہلو یہ تھا کہ امت مسلمہ کے سامنے ایک چیلنج پیش کیا جائے، جو امت مسلمہ کے عقائد اور شریعت کے ساتھ اس کی وابستگی کو متزلزل کردے اور مسلمان دنیا کے دوسرے لوگوں کی زندگی کے اکھاڑے میں شامل ہو جائیں، اور پورے طور پر ایک عام عالمی ثقافت میں ضم ہو جائیں۔

اس نے ہمارے قوانین کو بھی بڑی شدت کے ساتھ متاثر کیا، ایسا تجارتی قانون بنایا گیا کہ ہم اپنی ملکی تجارت میں اس کو نافذ کرنے پر مجبور ہوں، مغرب کے قانونی ضابطے کو ماننے پر ہم کو مجبور کیا گیا ہے، بہت سے ایسے امور ہیں جنہیں معاملات میں شامل کیا گیا ہے اور انہیں ضروری قرار دیا گیا کہ ہم مغرب کے آگے جھک جائیں، اور انہیں تسلیم کریں، حالانکہ ہمارا اسلامی قانون کسی بھی قیمت پر اس کی اجازت نہیں دیتا۔

یہ وہ معاملات اور عقود ہیں جن میں سود کا — وہ بھی بسا اوقات نہایت اونچی شرح پر — حصول شامل ہے، بہت سے انشورنس کے قوانین شریعت کے خلاف ہیں اور وہ محض غرر اور دھوکہ دہی پر مبنی ہیں جن کا حقیقت میں ہم مقابلہ نہیں کر سکتے۔

۲ — فرقہ واریت اور اختلاف :

شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ ہماری زندگی کے اسلام سے دور ہونے کا بڑا سبب مسلم ملکوں کے درمیان اختلاف وانتشار کا پایا جانا اور ہماری سیاسی بنیادوں اور اتحاد کی کمزوری وکمی ہے، چونکہ اسلامی ممالک پر کوئی اقتدار اعلی موجود نہیں مغربی دنیا ہماری اجتماعیت کو منتشر کررہی ہے اور ہماری کمزوری — جو اس صدی کے ربع اول سے ہمارے اندر داخل ہوچکی ہے — ہمیں متحد نہیں ہونے دے رہی ہے، اس کا فائدہ اٹھا کر ہمارے خلاف فیصلہ کرتی رہتی ہے، اور نتیجۃً ہم منتشر دکھائی دیتے ہیں، اس طرح ہماری حکومت اور ہمارے عوام کے دلوں سے اتحاد اور اجتماعیت جیسے جذبات کو کھرچ کر پھینک دینا چاہتی ہے۔

اس وقت مسلمانوں کے تقریباً پچاس سے زیادہ ممالک ہیں جو تنظیم اسلامی کانفرنس کے رکن بھی ہیں اور اس تنظیم کی ترقی وتنسیق میں تمام مسلم ملکوں کی شراکت ہے، اس کے باوجود ان کے متحد ہونے کے ارادے کمزور ہیں، اور ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی ایسی قرارداد منظور ہوتی ہے جو ہمارے ملکوں کے مختلف تنازعات کے حل پر مشتمل ہوتی ہے تو وہ کبھی بھی نافذ نہیں ہوپاتی، اس کی مثال مسلمانوں کا مشترکہ اسلامی اسٹاک ایکسچینج کی قرارداد ہے جو ۱۹۸۹ء میں منظور ہوئی، مگر آج تک نافذ نہیں ہوسکی، اسی طرح متحدہ اسلامی عدالت عالیہ کی قرارداد جو ۱۹۷۸ء میں کویت کانفرنس میں منظور ہوئی، تا کہ اس کے مطابق تمام اسلامی ممالک فیصلہ کریں، آج تک اس پر عمل نہ ہوسکا، جب کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ اسلامی ممالک کو اسلامی شریعت کی اساس پر ہی منظم کیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ یہی ایک اساس تھی جس کی بنیاد پر تمام مسلم ملکوں کو جوڑا جاسکتا تھا، عرب لیگ، تنظیم اسلامی کانفرنس اور خلیجی تعاون کونسل نے اس تعلق سے اہم اقدامات بھی کیے۔ لیکن سیاسی انتشار کی بالادستی اور امت کے اتحاد کو ختم

کرنے کے منصوبوں نے آج تک اس منصوبہ کو روبعمل نہیں ہونے دیا۔

جبکہ اس حقیقت کو سب تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام امت کو اتحاد کی دعوت دیتا ہے، اختلافات اور تفرقہ کی مذمت کرتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا واذكروا نعمة الله عليكم إذ كنتم أعداءً فألف بين قلوبكم فأصبحتم بنعمته إخوانا، وكنتم على شفا حفرة من النار فأنقذكم منها، كذلك يبين الله لكم آياته لعلكم تهتدون**" (آل عمران: ۱۰۳) (اور اللہ کی رسی سب مل کر مضبوط تھامے رہو اور باہم نا اتفاقی نہ کرو اور اللہ کا یہ انعام اپنے اوپر یاد رکھو کہ جب تم باہم دشمن تھے تو اس نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی، سوتم اس کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور تم دوزخ کے گڈھے کے کنارے پر تھے، سو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا، اسی طرح اللہ اپنے احکام کھول کر سناتا رہتا ہے، تاکہ تم راہ یاب رہو)۔

یہ حقیقت ہے کہ اگر تمام مسلم حکمراں شریعت اسلامی کی مکمل تنفیذ پر اتفاق کرلیں اور تمام ممالک میں اس تعلق سے باہمی تعاون پر مبنی تحقیقات ہوں اور مکمل طور پر تمام ملکوں میں اس کا نفاذ ہوجائے تو اسلامی قانون پوری قوت کے ساتھ دنیا کی بیس فیصد آبادی پر حکمرانی کرے گا اور جو بھی مسلمانوں کے ساتھ تعاون پر آمادہ ہوگا اس کے لئے ضروری ہوگا مختلف قسم کے لین دین اور عقود و معاملات میں عدل وانصاف اور مساوات کو اپنائے، اور حق تلفی اور جور و جفا سے دور رہے۔

۳- جمود اور تعطل:

یہ بھی مسلمانوں کے اہم مسائل میں سے ایک ہے، بلکہ قانونی میدان میں پچھڑنے کی اور بالعموم امت مسلمہ کی پسماندگی اور زوال کی بنیادی وجہ اجتہاد کے دروازے کا بند ہونا ہے، جمود کا مفہوم دین میں اجتہادی عمل کا جاری نہ رہنا اور فقہ کے فروعی مسائل، حوادث اور

ترقیات وتبدیلی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے نئے مسائل کا مناسب شرعی حل اجتہاد کے ذریعہ پیش نہ کرنا ہے، یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے، اس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے، اور اس جمود وتعطل کی اصل وجہ اور اجتہادی عمل میں جو سب سے بڑی رکاوٹ ہے وہ ہمارے افکار وخیالات کے سوتوں کا خشک ہونا، عقل وشعور کا منجمد ہوجانا، یہ معاملہ صرف فقہی اجتہاد سے ہی تعلق نہیں رکھتا، بلکہ تمام علوم، سائنس، زبان وادب، صنعت وحرفت، سیاست، قانون، اور مسلمانوں کی زندگی کے سارے میدان اس کمی اور پسماندگی وزوال کا شکار ہیں، علماء نے لکھا ہے کہ جمود : عقل اور فکر کی طاقت کا بحث وتحقیق کے عمل سے معطل ہوجانے کا نام ہے(۱)۔

اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ امت کو درپیش مسائل کے حل کی کوشش نہ کرنا، خاموشی اختیار کرنا، اور اجتہاد کے ذریعہ حکم شرعی بیان نہ کرنا یہی اس شر کی سب سے بڑی کنجی ہے، جو امت کی پسماندگی اور زوال کے نتیجہ میں سامنے آیا ہے اور یہی ہمارے ملکوں میں غیر اسلامی قانون کا باب الداخلہ ہے، اگر فقہ اسلامی کا کام اسی طرح جاری رہتا جس طرح ہمارے متقدمین علماء نے شروع کیا تھا، تو اس وقت جو کچھ بھی ہمارے سامنے ہے ان کی روشنی میں موجودہ مسائل کے حل کرنے میں اپنی طاقت صرف کرنے سے کبھی نہیں رکتے، اجتہاد کے تعطل پر طویل عرصہ گذرنے ہی کا شاخسانہ ہے کہ آج ہم اپنے اندر یہ احساس پا رہے ہیں کہ ہمارے پاس موجود فقہی سرمایہ میں نو بہ نو مسائل کا حل پیش کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہی۔

آج دنیا اسی طرح مختلف معاملات سے واقف ہے جس طرح پہلے تھی، مگر یہ تمام معاملات نئے اجتہادات کے متقاضی ہیں، امام شہرستانی نے بہت پہلے کہا تھا : لوگوں کے معاملات اور تصرفات، نیز روزمرہ پیش آنے والی چیزیں لامحدود ہیں، اور نصوص شریعت محدود

---

(۱) دیکھئے: ڈاکٹر محمد بولیلہ کا مقالہ: مشكلة الجمود وقضية الاجتهاد۔۔۔ جو قانونی چیلنجز کے موضوع پر رابطہ کی طرف سے منعقدہ کانفرنس (۲۱—۲۳/اپریل ۱۹۹۹ء) کے موقع پر لکھا گیا)۔

ہیں، اور جو غیر محدود ہوں ان کو محدود کے ذریعہ منضبط نہیں کیا جا سکتا، لہذا ہمارے لیے ضروری ہے کہ اجتہاد جاری رہے، تاکہ آئندہ ہونے والے ہر اجتہاد کے لئے بنیاد فراہم ہوتی رہے۔

آج بہت سے ایسے مسائل ہیں جو تشنۂ تحقیق ہیں، مثلاً کلوننگ، جنیٹک سائنس، بانجھ پن کے خاتمہ کے لئے مصنوعی افزائش نسل کے ذرائع، جدید تجارتی شکلیں مثلاً CXF سسٹم، یا Fob نامی خرید وفروخت کا طریقہ، آج ہمارے فقہاء ہوتے تو ان مسائل میں بڑے دوررس اصول وضع کرتے اور ان کا مناسب حل پیش کرتے۔

اس وقت بہت سے طبی اور اقتصادی مسائل ہیں جن پر مجتہدین کو اپنی رائے دینے کی ضرورت ہے، ان کا حل پیش کرنے کی ضرورت ہے، اور اس میدان میں شرعی رہنمائی کی ضرورت ہے، ان معاملات میں فقہ اسلامی کے نقطہ نظر سے غور نہ کرنے اور اجتہادی عمل کے موقوف ہونے کی وجہ سے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ ہم موثر کردار ادا نہیں کر پا رہے ہیں، اصول فقہ کا کوئی صحیح منہاج ہم فراہم نہیں کر پا رہے ہیں جن کے ذریعہ نئے مسائل کے حکم شرعی تک اجتہاد کے ذریعہ ہم رسائی حاصل کر سکیں۔

۴—تدریس واجتہاد کے اداروں کے درمیان رابطہ کا خلا :

اس وقت اجتہادی اور تحقیقی کام کرنے والے بہت سے ادارے مسلم ملکوں اور دوسری جگہوں پر کام کر رہے ہیں، جیسے مجمع البحوث مصر، ہیئۃ کبار العلماء سعودیہ، اور تنظیم اسلامی کانفرنس کے ماتحت قائم بین الاقوامی اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ، اس کے علاوہ بھی اجتہاد اور فقہ وفتاوی کے میدان میں کام کرنے والے ادارے ہیں، اور ان اداروں نے بہت سے جدید مسائل کا حل اپنی اپنی سطح پر پیش بھی کیا ہے، ان مسائل پر بعض گہرے علم وتحقیق پر مبنی مقالات بھی مختلف اساتذہ اور اہل علم کی طرف سے سامنے آئے ہیں، لیکن افسوس یہ ہے کہ یہ قیمتی تحقیقات اور اجتماعی فتاوے محض کاغذات اور فائلوں کی زینت بنے ہوئے ہیں، یا تو ان کی

طباعت نہیں ہوتی یا ہوتی ہے تو لائبریریوں کی الماریوں میں انھیں بند کر کے رکھ دیا جاتا ہے، آج تک یونیورسٹیز، تعلیمی اداروں، معاہد اور فقہ اسلامی اور قانون پڑھانے والے اداروں کو ان بیش قیمت علمی اور شرعی سرمایہ کو اپنے نصاب میں داخل کرنے کا موقع ہی نہیں ملا ہے، اور نہ اس سے کوئی دلچسپی دکھائی دیتی ہے۔

۲ — اس صورتحال کے افسوسناک نتائج :

اس صورتحال کا سب سے افسوسناک نتیجہ یہ ہے کہ شرعی موضوعات پر ہونے والی تحقیقات زندگی کے زندہ موضوعات سے ہم آہنگ نہیں اس سے وہ نتائج سامنے ہی نہیں آتے جو اس سماج کے لئے معاون ومددگار ہوں، اس کا لازمی نتیجہ یہ سامنے آرہا ہے کہ معاشرے میں منکرات ومحرمات عام ہیں، مگر کوئی ان کو روکنے والا نہیں، ہماری نسلوں میں بہت سی ناجائز وحرام چیزیں عام ہورہی ہیں، مگر ان کے اندر یہ احساس بھی نہیں ہے کہ یہ حرام ہے، ان کے اندر اتنی صلاحیت باقی نہیں رہ گئی ہے کہ وہ تمیز کرسکیں کہ حلال کیا ہے اور حرام کیا ہے، اور مسلمانوں کا غالب حصہ اس وقت اس کمی کا شکار ہے۔

اسی طرح عورتوں کی بے حجابی اور بے لباسی (جو کل تک مغرب میں عام تھی) ہمارے یہاں اس قدر عام ہوگئی ہے کہ مغربی معاشرہ اب ہمارے یہاں کے بارے میں سمجھنے لگا ہے کہ عریانیت اور مرد وعورت کے آزادانہ اختلاط سے اب ہمارا سماج بھی محفوظ نہیں ہے، اور سچ ہے کہ بے حجابی ہماری روزمرہ زندگی کا حصہ بن چکی ہے، جبکہ کل تک یہ ہوسناکی اور بے حیائی زیادہ سے زیادہ فلموں تک محدود تھی۔ نیز یہ صورت حال مختلف ملکوں کے ساتھ تعلقات کی وسعت کے نتیجہ میں بھی اور پوری دنیا کو ایک ہی تہذیب اور کلچر میں ڈھال دینے والے گلوبلائزیشن کے تصور کو بغیر سوچے سمجھے اپنا لینے کے نتیجہ میں بھی پیدا ہوئی ہے، اس بات کو اچھی طرح باور کیا جاسکتا ہے کہ مسلم دنیا کے مغربی سانچے میں ڈھلنے اور انحراف کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ موجودہ

حالات میں ہمارا فکری اور شرعی تعلیم سے رشتہ بالکل کٹ گیا ہے، امت سے اس کا اسلام چھینا جارہا ہے، اس سے اس کے امتیازات چھینے جارہے ہیں، اس کی بیش بہا تعلیمات سے اس کو بدظن کیا جارہا ہے، اور وہ غفلت میں پڑی ہے۔

آج امت مسلمہ اس قدر انحطاط کا شکار ہوچکی ہے کہ اپنے دین، اسلام اور اپنے ملی تشخصات کو منفی نظریہ سے دیکھنے لگی ہے، یہ ایک کربناک اور سنگین صورت حال ہے جو ایک چیلنج بن کر ہمارے سامنے آرہی ہے، ہمارے اسلامی معاشرے کے دین اور اسلام سے دوری کا یہ نتیجہ ہے کہ معاشرے کے لوگوں سے حلال وحرام تک کی تمیز اٹھ چکی ہے، اور سب سے افسوس ناک بات یہ ہے کہ ہمارے درمیان طرح طرح کے منحرف افکار نے جگہ بنالیا ہے، جو اس میں معاون ہوتے ہیں اور اس کجروی اور کج فکری کو لوگوں کے دل ودماغ میں بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم دین اسلام ہی کی وجہ سے پچھڑے پن کا شکار ہوئے ہیں، (العیاذ باللہ) اور اس معاشی فقر وافلاس اور پسماندگی سے ہماری کمیونٹی کے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ اسلام سے اپنا رشتہ منقطع کرلیں اور مکمل طور سے مغرب کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کرلیں، موبائل، انٹرنیٹ، اور سینما کلچر کو کھلے دل سے اختیار کریں، ان چیزوں سے اہل ایمان کے درمیان منکرات وفواحش تیزی سے پھیل رہے ہیں، اسلامی معاشرہ کی بنیادوں کو منہدم کررہے ہیں، معاشرہ میں فحاشی پھیلانے والوں کی تعداد ان نفوس قدسیہ سے کہیں زیادہ ہے جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے ہیں، اور فحاشی پھیلانے والی مشنری زیادہ طاقتور ہے، بلکہ مسلم ملکوں کا تو حال یہ ہے کہ دین اور اسلام کی بات کرنے والوں پر پابندیاں ہیں وہ بغیر پرمیشن کے کوئی بات نہیں کرسکتے، مگر فحاشی پھیلانے والوں کو کھلی چھوٹ ہے۔

مسلم ملکوں کے تعلیمی اداروں کا حال یہ ہے کہ اسلامیات کے شعبہ جات اور فیکلٹیز شرعی اور فقہی تحقیقات کے بجائے کلیۃ الحقوق کے مختلف ذیلی شعبہ جات کھولتے جارہے ہیں،

جن میں مختلف غیر عربی زبان میں قانون پڑھایا جارہا ہے، بلکہ ان میں امریکی انگریزی اور فرانسیسی قانون کی مختلف فیکلٹیز قائم کردی گئی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ان زبانوں میں پڑھایا جانے والا قانون کا نصاب حقوق کے شعبہ جات کے عام مضامین کے طرز تدریس سے بالکل مختلف ہے۔ کلیۃ الحقوق کے مختلف ذیلی شعبہ جات کھولے جارہے ہیں جن میں عربی کے علاوہ کئی دیگر زبانوں میں قانون کی تعلیم ہورہی ہے، اوران جدید شعبہ جات میں امریکہ، انگلینڈ اور فرانس کے قوانین پڑھائے جارہے ہیں، ظاہر ہے کہ ان کی تعلیم لا کالج کی معمول کی تعلیم سے بہت کچھ مختلف ہے، پھر یہ کہ اس جدید تعلیم کو ان خوشحال طلبہ کے لئے خاص رکھا گیا ہے جو فیس اور دوسرے عنوانات سے بھاری رقمیں ادا کرنے کے لئے تیار ہوں۔

۳— ان مشکلات کے حل کا راستہ :

۱— یہ بات واضح ہوچکی کہ فقہ اسلامی کی تدریس وتحقیق کے لئے اس وقت اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے کہ فقہ مقارن کو فروغ دیا جائے اور قانونی کورس کو فقہی ابواب کے ساتھ شامل کرلیا جائے، اوراجتہاد کے ذریعہ قانونی مضامین پر شرعی رنگ کو غالب کیا جائے۔

۲— اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ فتاوی اور فقہی آراء کو واضح نصوص سے مدلل کرنے کی مکمل کوشش کی جائے، تاکہ دوران تدریس طلبہ انھیں جان سکیں، اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ علم اصول فقہ کی تدریس کو نئے انداز سے زندہ کیا جائے اوراس کی تدریس کا اس طرح اہتمام کیا جائے کہ طلبہ میں شریعت کے اہداف ومقاصد اوراحکام کے علل واسباب کو واضح کرنے کی صلاحیت پیدا ہو، اوراس کے ذریعہ جدید پیدا شدہ مسائل کے احکام کو دریافت کرنا اور شرعی حل تک پہنچنا آسان ہو، اور تغیرات زمانہ کی وجہ سے پیدا ہونے والے مسائل کے حل نہ ہونے سے اور درمیان کی صدیوں میں اجتہادی عمل کے موقوف ہونے کی وجہ سے جو اجتہادی اسپرٹ تھم سی گئی تھی اور سلسلہ منقطع ہوگیا تھا اسے جوڑنے میں ہم کامیاب ہوسکیں، اوروہ

منظر نامہ سامنے آئے جسے ہم "فقہی تسلسل" کہہ سکیں۔

یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم کسی طالب علم یا جدید قاضی یا حکم سے یہ مطالبہ کریں کہ وہ مختلف موضوعات اور لاتعداد مسائل پر محیط فقہی کتابوں سے مسائل نکالیں، اس لئے قانون سازی بہت ضروری ہے، اور اس میں ترقی اور اس کا فروغ اس سے زیادہ ضروری ہے۔

۳– اسلامی نظم ونسق اور قوانین، خاص طور سے جو ہمارے عمومی قانون کے دائرے میں آتے ہیں ان پر از سر نو ہمہ گیر غور وفکر کی ضرورت ہے، مثلاً شوری کا نظام اور اس کی تنفیذ وتطبیق کا مسئلہ اس بات کا متقاضی ہے کہ اسلامی معاشرے کے نمائندوں کے ساتھ مل کر اس کے مکمل شرعی طریقہ اور نقطۂ نظر کو واضح کیا جائے، تا کہ شورائی نظام کے مکمل نفاذ کی معرفت حاصل ہو سکے، اور اس کی راہیں ہموار ہوں، اسی طرح احتساب کے نظام کو بھی منظم کرنا ضروری ہے اور یہ کہ جدید عصری تناظر میں اس پر بحث کی جائے، اسی طرح اوقاف کے نظام کو نئے انداز سے وضع کرنے کی ضرورت ہے۔

اسی طرح مالی قوانین، ٹیکس سے متعلق قوانین، نیز زکوۃ کا نظام اور اس طرح کے دیگر موضوعات جو عصر حاضر میں بحث وتحقیق کے متقاضی ہیں، تا کہ ان کے تنفیذ کے طریقے کو واضح کیا جا سکے، اسی طرح مسلمانوں میں اوقاف کے کردار کو تدریس وتطبیق کے ذریعہ زندہ کرنا بھی ضروری ہے۔

۴– اس وقت اسلامی ملکوں میں موجود قانون بھی عصری تناظر میں غور کئے جانے کا متقاضی ہے، تا کہ بدلے ہوئے اسلامی سماج میں گہرے غور وفکر کے ذریعہ اس کو نافذ کیا جا سکے، اور ہر ملک کو اتفاق رائے سے طے پائے قانون کا مجموعہ دیا جا سکے، مثلاً دار الاسلام اور دار الحرب کا تصور، جہاد کا تصور، یہ سارے ہی مسائل عصری تناظر میں غور وفکر کے متقاضی ہیں۔

۵– اسی طرح اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ فقہ اسلامی کے درس وتدریس کے

نصاب میں زیادہ سے زیادہ گنجائش پیدا کر کے موجودہ معاشرتی تقاضوں کو اس میں شامل کیا جائے، جو اسلامی اقتصادیات اور اسلامی تہذیب وثقافت، نیز جدید معاشرتی مسائل کے حل اور تجزیہ وتحلیل کے اصول پر مبنی ہو، کلیۃ الحقوق میں زیادہ سے زیادہ مضامین کو داخل کرنے سے بہتر ہے کہ موجودہ مشکلات کے حل کے سلسلہ میں اسلامی طرز فکر کی کیا خصوصیات ہیں، اور سول قانون، تجارتی قانون سے لیکر قانون جرم وسزا اور دیگر بین الاقوامی قوانین سے متعلق اسلام کے امتیازات کیا ہیں۔

۶ — اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ طلبہ کو تدریس کی اور سماجی مسائل کے حل کی عملی مشق کرائی جائے، خاص طور سے وہ احکام جن کا تعلق دار القضاء یا کورٹ اور عدالت سے ہو، ان کو حل کیسے کیا جائے، فیصلے کیسے کئے جائیں، فقہ اسلامی کے احکام کو ان پر منطبق کرنے کا کیا طریقہ ہو، اس کی عملی مشق بھی ہونی چاہئے، تاکہ فقہ اسلامی کی روشنی میں احکام بھی واضح ہو جائیں اور وہ ملکی قوانین جو اسلامی قانون سے الگ نظر آتے ہیں، یہ واضح ہو سکے کہ کون سا ملکی قانون فقہ اسلامی سے متفق ہے اور کون سا مختلف ہے۔